روحِ ادب

جوش ملیح آبادی

از ابتدا تا سنہ ۱۹۲۰ء کا کلام

شیخ نذیر احمد مالک کتب خانہ تاج آفس
محمد علی روڈ بمبئی

فہرست

اکبر الٰہ آبادی کی رائے	۵	طوفانِ بے ثباتی	۳۴
تبصرۂ شررؔ لکھنوی	۷	تماشائے قدرت	۳۷
دیباچہ، جوشؔ ملیح آبادی	۹	حالاتِ حاضرہ	۳۸
نذر	۱۵	انتظار کے آخری لمحے	۳۹
نظمیں		حقیقتِ دل	۴۲
		نفسِ مطمئنہ	۴۵
ترانۂ بیگانگی	۲۱	دنیا میں آگ لگی ہے ...	۴۶
مناظرِ سحر	۲۶	سائنس لو یا خوش رہو	۴۷
گریۂ مسرت	۲۸	مجھے تیری نعمتوں کی خواہش نہیں	۴۹
خیالاتِ زرّیں	۳۰	برادرِ خُرد	۵۰

دُنیا ۵۱

خشک سالی ۵۳

سُراغِ راہرو ۵۵

برقِ عرفاں ۵۶

پانچ نغمے ۵۸

ہماری سیر ۶۴

فلسفۂ مسرت ۶۵

محسوسات

محسوسات ۶۹

رعشۂ پیری ۷۴

عبادت ۷۴

حقیقت حال ۷۵، حُسنِ مجازی ۷۵

غزلیات

۷۷ تا ۱۰۶

آبگینے

۱۰۷ تا ۱۱۶

ستارے

۱۱۷ تا ۱۲۸

لسان العصر خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبرؔ جج الہ آباد کی رائے

مصوّرِ جذبات شبیر حسن خان جوشؔ رئیس زادے ہیں، شرافت اور وضعداری کے نشان اُن میں بہت نمایاں ہیں۔ حقائق عالم اور معرفت باری تعالیٰ میں اُن کے اشعار نہایت بلیغ و دلآویز ہوتے ہیں اور یہ اُن کا فطرتی جوہر ہے۔

آپ کی نثر بھی خوب ہے، کیوں نہ ہو آپ اہلِ دل بھی ہیں، اہلِ زبان بھی، میری خوش نصیبی ہوگی کہ میرے بعد آپ ایسے یاد کرنے والے باقی رہیں۔ آپ کا شعر ؎

فنا ہو جا، جھلک اُٹھے گا سینہ شمعِ عرفاں سے
ابھی تو دل کے آئینہ پہ غافل داغِ ہستی ہے

عجیب شعر ہے "داغِ ہستی" کے متعلق بہت کچھ خیالات ذہن میں ہیں جنہیں لکھ نہیں سکتا۔ اس شعر نے روح کو تازہ کر دیا۔

اس وقت آپ کی طبیعت کا جو رنگ ہے اُس پر ایک ازلی پرتو پڑ رہا ہے جس کے لئے صرف شعر ہی کافی نہیں، آپ کو اپنی قدر کرنا چاہیئے، آپ بہت کچھ ہو سکتے ہیں، کوشش کیجیے کہ نماز میں لذت ملے اور علمِ باطن حاصل کیجیے۔

یہ پُر جوش طبیعت ہونہار ہے۔ نثر میں ندرت تشبیہات سے آپکے ذہن کی قوت ظاہر ہوتی

ہے۔ خدا مبارک کرے۔ کاش کسی وقت میں آپ اور اقبال یکجا ہوتے۔

آپ کی صحبت روحانی غذا ہے عبرت، معرفت، بیخودی، جوشِ روحانی سے آپ کے اشعار لبریز ہوتے ہیں۔ آپ نے چشم بد دور عمدہ طرز بیان پایا ہے۔ باسی سوسائٹی میں رہ کر ایسے خیالاتِ عالی حیرت افزا ہیں۔

مجھے آپ سے روحانی محبت ہے۔ آپ کے تصوّر سے دل کو فرحت ہوتی ہے۔ خدا آپ کو زندہ اور بزمِ معنی کو آپ کی ذات سے روشن رکھے۔

اکبر

از الہ آباد

تبصرہ

از زمیں تا بہ آسماں سخن است

عالم کے نامحدود جلوے کسی فضل کسی دور کے محتاج نہیں صرف معرفت سے بھرا ہوا دل اور حقیقت نگر آنکھیں درکار ہیں ہستی کے وہ جوہرِ لطیف قدرت کے وہ رنگین لطیفے جنہیں عام نگاہیں نہیں دیکھ سکتیں فطری شاعر اُنہیں صرف دیکھتا ہی نہیں بلکہ اُن سے گفتگو کرتا ہے اور اُن سے محو رازِ دنیاز ہو جاتا ہے

آج اُن تمام جواہر و لطائف سے لبریز ایک نظم و نثر کا مجموعہ سبدِ گُل کی طرح میرے سامنے ہے جس کے تازہ پھولوں کی شمیم اطرافِ عالم میں پھیل چکی ہے یہ مجموعہ تیار ہونے سے پہلے ہی اپنی دلفریبی کے نقشے میرے دل کے ایوان میں آویزاں کر چکا تھا۔

یہ تصنیف ایک ایسے خاندانی رئیس کی کوششوں کا نتیجہ ہے جس کے اوصاف لسان العصر حضرت اکبرؔ الٰہ آبادی کی گرانقدر تحریر سے ظاہر ہیں کچھ کیفیت میرے مکرم دوست منشی رفیع احمد خاں ایم۔ اے نے حوالہ قلم کی ہے اور سچ پوچھو تو اس تصنیف کا حق ادا کیا ہے۔

آپ کے کلام میں جو رنگینیاں، جو بلند ہونے والے سچے جذبات تمثیل استعاروں اور نازک تشبیہوں کے باریک پردوں میں چھپائے گئے ہیں۔ وہ سب کے سب انسانی فطرت کو بلندیوں کی طرف ہدایت کرنے والے اور روحانیت میں جان ڈال دینے والے ہیں۔

ایسی حکیمانہ اور عارفانہ شاعری اور اُس میں اس قدر خوبیاں محض آپ کی خداداد طبیعت کا نتیجہ ہے

آپ کی شاعری مصوّری کا جذبہ اتم بھی اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ اس کا ثبوت بعض مضامین کی وہ نظر فریب رنگین تصویریں ہیں جو بہت اہتمام سے تیار کرائی گئی ہیں اور اس بات کا نمونہ بنائی گئی ہیں کہ دیکھو ہماری اردو شاعری اس صورت سے بھی ترقی کے مدارج قبول کر سکتی ہے اور یہ تصویریں[1] ہماری شاعرانہ ترقی کے لئے در اصل نئے قسم کے ترشے ہوئے بلوریں زینے ہیں جنہیں طے کرنے کے بعد انسانی دماغ وہاں پہنچ سکتا ہے جہاں آفتاب و ماہتاب کی قندیلیں روشن ہیں اور جہاں کی کیفیت بیان میں آ ہی نہیں سکتی۔ مصوّرِ جذبات حضرت جوشؔ کا یہ سن و سال اور یہ حقائق و معارف!! یہ بات ایسی ہے کہ دنگ ہو جانا پڑتا ہے اور حضرت اکبرؔ کے اس قول کی تائید کرنا پڑتی ہے کہ "آپ اہلِ دل بھی ہیں اور اہلِ زبان بھی"

راقم حضرت جوشؔ کا ایک قدیم نیاز مند

نشترؔ لکھنوی

---

[1] افسوس کہ امتدادِ زمانہ کے باعث تصویروں کے بلاک اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ چھاپے نہیں جا سکتے نیز رفیع احمد خاں صاحب کا مقدمہ بھی درمیانی اوراق کے گم ہو جانے کے باعث طبع نہیں ہو سکا۔

باز گلبانگِ پریشاں می زنم

میرے کلام کا یہ سب سے پہلا مجموعہ ہے، جو سترہ رنگین و سادہ تصویروں کے ساتھ سنہ ۱۹۲۱ء میں ملیح آباد سے شائع ہوا تھا۔ یہ میرے اُن بیتے ہوئے دنوں کی سادہ و رنگین یادگار ہے جو اب کبھی واپس نہیں آسکتے۔ اس کتاب میں میرا موسمِ بہار سانس لے رہا ہے اور میری مسیں بھیگتی ہوئی نوجوانی محوِ سرود ہے ـــــ ہر چند اس دیباچے کی تحریر کے وقت بھی اپنے موسمِ بہار کے اختتام کو تسلیم نہیں کر رہا ہوں لیکن وہ زمانہ ہی کچھ اور تھا ـــ عنفوانِ شباب کی کلی کے چٹکتے وقت، خون میں جو چہکا لگانے والی حرارت جذبات میں جو شدت و شگفتگی موجود ہوتی ہے اور عقل میں ناتجربہ کاری کی بنا پر جو ایک کجروی و خامی پائی جاتی ہے اور ان کے لطیف امتزاج سے نوجوانی کے سر پر جو ایک افسوں بدوش و افسانہ بار گھٹا سی چھائی رہتی ہے اُس کی شرح تو خیر بڑی بات ہے۔ اگر آگے چل کر کوئی اس موسمِ برق و باراں کے تصور تک کو اپنے دماغ میں اجاگر کر لے تو یہ سمجھئے کہ وہ غیر معمولی انسانوں سے بھی کچھ بڑھا ہوا آدمی ہے۔

اس کتاب میں میرا نو برس کی عمر سے لیکر سنہ ۱۹۲۱ء تک کا کلام ہے ـــــ میں نے نو برس کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ "شعر کہنا شروع کر دیا تھا" یہ بات میں نے خلافِ واقعہ اور غلط لکھی کیونکہ یہ کسی انسان کی مجال نہیں کہ وہ خود سے شعر کہے، شعر اصل میں کہا نہیں جاتا، وہ تو اپنے کو کہلواتا ہے ـــ اسلئے صحیح طرزِ بیان اختیار کر کے مجھے یہ لکھنا چاہئے کہ نو برس کی عمر سے شعر نے مجھ سے اپنے کو کہلوانا شروع کر دیا تھا ـــ جب میرے دوسرے ہمسن بچے پتنگ اُڑاتے اور گولیاں کھیلتے تھے اُس وقت کسی علیحدہ گوشے میں شعر مجھ سے اپنے کو کہلوایا کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ پتنگ اُڑانے اور گولیاں وغیرہ کھیلنے کے فن سے میں اب تک ناواقف ہوں ـــــ

شاعری سے جب فرصت پاتا تھا تو میرا محبوب ترین مشغلہ تھا کہ ایک اونچی سی میز پر بیٹھ کر اپنے ہم عمر بچوں کو جو جی میں آتا تھا، اناپ شناپ درس دیا کرتا تھا۔ درس دیتے وقت میری میز پر ایک پتلا سا بید رکھا رہتا تھا اور جو بچہ توجہ کیساتھ میرا درس نہیں سنتا تھا، اُسے میں بید سے اس بُری طرح مارتا کہ بیچارہ چیخیں مار مار کر رونے لگتا تھا اور کبھی کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ میں کسی کُند ذہن بچے کے کاندھوں پر سوار ہو کر اُسے اس طرح بید مار مار کر دوڑاتا کہ وہ غریب بیدم ہو کر گرنے لگتا تھا ـــــ اور میرے مزاج کی یہ وہی بنیادی سختی ہے جو میری سیاسی خطیبانہ شاعری میں تلخ و ترش لہجہ بن کر آج بھی نمودار ہوتی رہتی ہے اور میری شاعری کا سوا نقاد میرے لہجے کی درشتی پر چیخ پیخ اُٹھتا ہے ـــــ

بس لڑکپن میں بلا کا شعلہ خو تھا۔ غیظ و غضب کا یہ عالم تھا کہ ایک ذرا سی خلافِ مزاج بات پر میرے ہر بُنِ مو سے چنگاریاں نکلنے لگتی تھیں۔ ہر چند پینتیس فی صدی زمانے کی گردش اور پینسٹھ فی صدی تفکر و تدبر اور ریاضت نے میرے مزاج کو اب

اس قدر بدل دیا ہے کہ مجھے اپنی اس قلبِ ماہیت پر خود حیرت ہوتی ہے ــــ پہلے صرف حیرت ہوتی تھی اور اب ایک تحسین آمیز خوشگوار حیرت کا احساس ہوتا ہے ــــ لیکن اس قلبِ ماہیت کے باوجود حماقت و غباوت پر مجھے آج بھی غصہ اور گاہ گاہ شدید غصہ آجاتا ہے اور یہی وہ غصہ ہے جو میری سیاسی نظموں میں جیسا کہ بیان کر چکا ہوں جھلکا کرتا ہے ــــ جانتا اور خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ جس شخص میں جتنی مقدار غیظ و غضب کی ہوتی ہے، اسی نسبت سے اس کی ذات میں حکمت و بصیرت کی کمی ہوتی ہے

دریائے فراواں نہ شود تیرہ بہ سنگ

عارف کہ برنجد تنک آب است ہنوز

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی میں اپنی موجودہ خطیبانہ شاعری کے لہجے کی توجیہ کرنے لگا لیکن "رجز ادب" کو اس سے کیا واسطہ، ہاں تو میں لڑکپن میں بچوں کو بید کے ذریعے سے درس دیا کرتا تھا لیکن زیادہ وقت شاعری میں صرف ہوتا تھا ــــ شاعری کرتے ہوئے یہ میری چوتھی پشت ہے میرا لڑکا سجاد حیدر اور میری لڑکی بھی موزوں طبع ہے اگر آئندہ یہ دونوں شاعری کریں گے تو

ع پانچویں پشت ہے شبیر کی مدّاحی میں

کہنے کے بہر طور مستحق ہوں گے ــــ میرے باپ بھی شاعر تھے، دادا جی اور پڑدادا جی، جن کا تخلص گویا اور نام حسام الدولہ، تہور جنگ نواب فقیر محمد خاں تھا ــــ لیکن میرے والد نے شاعری سے مجھے ہمیشہ روکا، اور سختی کیا تھوڑا کا ــــ "بیٹا شاعری منحوس چیز ہے اگر اس میں پڑو گے تو تباہ ہو جاؤ گے" یہ تھا میرے باپ کا انتباہ آمیز قول جسے وہ اکثر دہرایا کرتے تھے۔ ایک روز میں نے بڑی جسارت سے کام لیکر ڈرتے ڈرتے اپنے باپ سے سوال کیا تھا کہ آپ اور دادا میاں بھی تو شعر کہتے ہیں، وہ تو تباہ نہیں ہوئے، میں کیوں تباہ ہو جاؤں گا۔ مجھے اچھی طرح وہ وقت یاد ہے کہ میرے باپ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر میرے اس سوال کا یہ جواب دیا تھا کہ چار پانچ پشتوں سے ہماری جائداد لڑکوں اور لڑکیوں میں تقسیم در تقسیم ہوتی چلی آرہی ہے اور بالخصوص تمہارے دادا نے اپنے کچھ اوپر سولہ لڑکوں اور لڑکیوں میں اپنے تعلقے کو جس طور سے تقسیم فرما دیا ہے اس کے یہ کھلے ہوئے معنی ہیں کہ جو جائداد میرے حصے میں آئی ہے وہ میرے بعد تم تینوں بھائیوں اور چاروں بہنوں میں تقسیم ہونے کے بعد ہرگز اس قابل نہیں رہے گی کہ ایک شاعر کی لا اُبالی طبیعت اور اس کے ذوقِ خانماں بربادی کو برداشت کر سکے ــــ چنانچہ وہی ہوا، جس کا میرے باپ کو اندیشہ تھا۔

اس مجموعے کی اشاعت کے وقت میرے گرد و پیش کی دنیا اور میرے تاثرات و حالات کیا تھے اس مختصر سے دیباچے میں اس کی گنجائش نہیں نکالی جا سکتی، یہ داستان میں اپنے خود نوشت سوانح میں بیان کروں گا جو ہنوز ضبطِ تحریر کی ابتدائی منزلوں سے گزر رہا ہے۔

یہاں مختصراً اتنا کہوں گا کہ مادی حیثیت سے وہ میری انتہائی فارغ البالی کا زمانہ تھا۔ گھر میں دولت پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی اور اسی کے دوش بدوش اقتدار و حکومت کا بھی طنطنہ بھی شامل حال تھا ـــــ زندگی اور زندگی کی تلخیوں سے قطعی ناواقفیت، اور درد مند انسانیت کے مشاہدے، نیز حیات کے تلخ تجربات سے کلیتہً بیگانگی تھی۔ البتہ ان تمام فارغ البالیوں کے باوجود مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کوئی شے، رہ رہ کر میرے دل میں چھایا کرتی تھی، وہ "کوئی شے" تھی کیا، مجھے اس کا مطلق علم نہیں تھا اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے حسنِ مناظر سے خوشی اور حسنِ انسانی سے دکھ محسوس ہوا کرتا تھا ـــــ ایسا کیوں تھا، یہ بات میرے دائرہ علم سے خارج تھی۔

نیز اس زمانے میں، یا دمشن بخیز ایک کافی مدت تک میں نماز کا بھی نہایت ہی سختی کے ساتھ پابند ہو گیا تھا۔ نماز کے وقت خوشبوئیں جلاتا اور کمرہ بند کر لیتا تھا اور گھنٹوں رکوع و سجود میں کھویا ہوا رہتا تھا ـــــ اس دور میں میں نے داڑھی بھی رکھ لی تھی، چارپائی پر لیٹنا اور گوشت کھانا ترک کر دیا تھا۔ ایک مشہور سجادہ نشین کے ہات پر بیعت بھی کر لی تھی ـــــ اور وہ چیز جسے صوفیائے کرام "تجلیات" کہتے ہیں، میرے قلب کو حاصل ہو گئی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر میرے آنسو نکل آتے تھے اور بالخصوص گریۂ نیم شبی، اور آہِ سحری کے وقت تو ایسا محسوس ہوتا گویا میرا دل بہہ رہا ہے اور میرا تمام وجود فضائے نیلگوں میں اُڑ رہا ہے۔

میں کبیر داس اور ٹیگور کی شاعری کا دلدادہ، اور حافظِ شیراز کا پرستار تھا۔ حافظ کے ساتھ تو مجھے اس قدر شغف تھا کہ صبح کی نماز سے بہت پیشتر اٹھ کر میں غسل کرتا، تازہ پھول شیشے کی پلیٹ میں رکھتا، اگر اور عود جلاتا اور حافظ کا کلام گنگناتا اور ایک نشے کے عالم میں جھوما کرتا تھا اور مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حافظ کی روح میرے گرد و پیش رقص کر رہی ہے۔

یہ وہی زمانہ تھا کہ میں محبت کو، جنسیات سے برتر، ایک مقدس آسمانی چیز سمجھتا اور محبت کی تلخ شیرینیوں میں گم ہو جانے کو حیاتِ انسانی کا سب سے بڑا کارنامہ خیال کرتا تھا۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وحشت و اضطراب کے ساتھ، کبھی کبھی یہ بھی محسوس ہوتا تھا جیسے میرے دماغ کے اندر کوئی خطرناک کمانی کھل رہی ہے جو آخر کار مجھ سے میری اس دنیائے لطافت کو چھین لے گی۔

ـــــ چنانچہ وقت گذرتا گیا اور کمانی کھلتی چلی گئی اور کچھ مدت کے بعد مجھ میں ایک قسم کا ہلکا باغیانہ میلان پیدا ہو گیا، اور ترقی کرنے لگا اور آخر کار نوبت یہ پہنچی کہ میری نمازیں ترک ہو گئیں، داڑھی منڈ گئی۔ گریۂ نیم شبی

اور آہِ سحری کا سلسلہ ختم ہوگیا ـــــ اور اب میں اُس منزل میں آگیا، جہاں ہر قدیم اعتقاد اور ہر پارینہ روایت پر اعتراض کرنے کو جی چاہتا ہے اور اعتراضات بھی تمسخر انگیز و اہانت آمیز ـــــ

جب میرے خیالات و افکار کا کارواں اِس راستے پر آہستہ آہستہ گامزن ہونے لگا تو میرے مرحوم باپ کو سخت اندیشہ پیدا ہوگیا کہ میں گمراہ ہوجاؤں گا۔ اُنہوں نے مجھے بڑی نرمی اور احتیاط کے ساتھ سمجھانا اور ایک مدت تک سمجھانے سے تنگ آکر آخر کار دھمکانا شروع کر دیا، مگر مجھ پر اس کا اثر کوئی نہیں ہوا۔ اور آبائی عقائد و روایات سے میری بغاوت بڑھتی ہی چلی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے باپ نے وصیت نامہ تحریر فرما کر میرے پاس بھیجا کہ اگر اب بھی میں اپنی "ضد" پر قائم رہوں گا تو وہ اُس وصیت نامے کو جس میں اُنہوں نے مجھے جائداد سے محروم کرکے، میرے نام صرف سو روپے کا ماہانہ وظیفہ مقرر فرمایا تھا، جج کے آہنی صندوق میں داخل کرکے میرے مستقبل کو زندانِ محرومی میں ہمیشہ کے واسطے مقفل فرما دیں گے۔

لیکن مجھ پر اس کا بھی مطلق اثر نہیں ہوا اور یہ وصیت نامہ اُس کے دوسرے ہی دن لکھنؤ کے ڈسٹرکٹ جج کے صندوق میں بند کر دیا گیا ـــــ لیکن چھ ماہ کے بعد جس وقت کہ میں اپنے کمرے میں دوپہر کے وقت ایک عجیب خواب دیکھ رہا تھا، ماما نے مجھے جگایا اور کہا "میاں بلا رہے ہیں"۔ چنانچہ میں اپنے باپ کے پاس پہنچا سر جھکائے ہوئے، اور ادب کے ساتھ ـــــ میرے شفیق باپ نے مجھ سے کہا "شبیر" اور میں نے آنکھیں اُٹھائیں تو دیکھا کہ میرے باپ کی بڑی بڑی غلافی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے ہیں"۔ یہ دیکھو دوسرا وصیت نامہ، میں نے جائداد میں تمہارا حصہ تمہارے دونوں بھائیوں کے برابر کر دیا ہے"۔ میرے باپ نے بھرائی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا۔ مجھ پر باپ کی شفقت اور اُس وقت کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ میری ہچکیاں بندھ گئیں کہ اتنے میں میرے باپ کی آواز پھر گونجی۔ "شبیر! اس دولت اور جائداد کی خاطر لوگ ماں باپ اور بھائی بہن تک کو فارغ لیتے ہیں اور یہاں تک کہ ایمان بھی گنوا دیتے ہیں مگر تم نے اس دولت اور جائداد کی اپنے اصول کے سامنے ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کی، مجھے تمہاری یہ استواری و استقامت بہت پسند آئی، اگر تمہارا سا آدمی مجوسی بھی ہو جائے تو بھی اُسکی عزت کرنا چاہئیے"

مجھ پر باپ کی اس حکیمانہ شفقت کا بہت اثر ہوا اور میرا دل باپ کے روبرو اور بھی جھک گیا۔ لیکن باغیانہ خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ـــــ یہ بات یاد رکھنا چاہئیے کہ میں اس موقع پر جس کو اپنے "باغیانہ خیالات" کا لقب دے رہا ہوں، وہ اس وقت مذہب سے روگردانی اور الحاد نہیں تھا۔ بلکہ اُس کا مفہوم

یہ ہے کہ آبائی عقائد اور پارینہ روایات کا طلسم باقی نہیں رہا تھا اور اُس کی جگہ ایک دوسرا مذہبی اثر میرا احاطہ کر چکا تھا جس کا ایک رُخ تو میرے باپ کو بہت پسند تھا لیکن دوسرے رُخ اور اُس رُخ کی شدت کو وہ نہایت غیر مستحسن خیال فرماتے تھے ——

یہ تھے میرے حالات و خیالات جس وقت "روحِ ادب" عالمِ وجود میں آئی تھی —— اور یہی وہ زمانہ تھا کہ محبت کی تیز دھار میری رگِ دل کو چھو کر رنگین ہو چکی تھی۔

جی تو بیساختہ چاہتا ہے کہ میں اُس اوّلیں وارداتِ محبت کو، اور اُس کے ساتھ ساتھ اپنے تمام دیگر واقعاتِ رنگین کو اس دیباچے میں درج کروں اور دُنیا کو بتا دوں کہ حُسن کی زلفوں کی کمندوں نے کتنی بے پایاں نیاز مندیوں کے بعد میرے نازک گرفتار کرنے کی سعادت حاصل کی تھی لیکن ڈرتا ہوں، بیان کرنے سے ڈرتا ہوں۔ اپنی رسوائی سے نہیں، اپنے صیادوں کی رسوائی سے ڈرتا ہوں کہ کہیں اُن کی جبینِ ناز پر شکنیں نہ پڑ جائیں —— بہرحال مجموعی حیثیت سے اس موقع پر میں صرف اس قدر کہدینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں محبت کے معاملے میں ہمیشہ خوش قسمت اور عُرفی کے اس شعر کا مصداق رہا۔

آنہا کہ آہوانِ حرم را کنند صید
در آرزوئے ناوکِ صید افگنِ من اند

اور یہی وجہ ہے کہ میری شاعری میں آنسو، آہیں اور سینہ کوبیاں بہت ہی کم ہیں، کیونکہ یہ چیزیں ناکامی اور انفعالیت سے پیدا ہوتی ہیں اور میں ان چیزوں سے شاذ ہی دوچار ہوا ہوں۔

اب آپ کو کسی قدر اندازہ ہو گیا ہو گا کہ "روحِ ادب" کی تصنیف کے وقت میرا کیا عالم اور کیا ماحول تھا۔ لگے ہاتھوں اس بات کا ظاہر کر دینا بھی بہت ضروری ہے کہ اس مجموعے میں میرے اُستاد کی اصلاح کا ایک حرف بھی موجود نہیں ہے —— اس میں کوئی شک نہیں کہ مرحوم حضرت عزیز لکھنوی کا میں شاگرد تھا۔ لیکن جب یہ کتاب مرتب ہو رہی تھی۔ میں نے اُن کی تمام اصلاحوں کو اس سے خارج کر دیا تھا۔ تاکہ میں نے جس طور سے بھی جو کچھ کہا ہے، وہی ملک کے سامنے پیش ہو اور میری انفرادیت پر حرف نہ آنے پائے —— اس بات سے میرے مرحوم اُستاد مجھ سے ناخوش بھی ہو گئے تھے۔ لیکن اگر وہ آج زندہ ہوتے تو، میرے نزدیک وہ اس قدر ذہین انسان تھے کہ اب وہ میری اس "گستاخی" کی قدر کرتے ——

مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس مجموعے میں کہاں کہاں اغلاط پائے جاتے ہیں اور اب میرے واسطے

نہایت آسان تھا کہ میں اس کتاب کو اُن اغلاط سے پاک کر دیتا، مگر چونکہ یہ امر ادبی دیانت کے خلاف ہوتا، اس لئے میں اس سے باز رہا۔ اس کے علاوہ اگر میں ایسا کرتا، تو میرے کلام کی تحقیقات کرنیوالا دھوکے میں مبتلا ہو کر، میری شاعری کے باب میں صحیح ترین رائے قائم کرنے میں ناکام رہتا ——— نیز اس لحاظ سے بھی مجھے یہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوا کہ آثارِ قدیم میں ترمیم و تنسیخ کرنا ایک شدید بے رحمی ہے۔

اس مجموعے میں نثر بھی ہے، غزلیں بھی ہیں، اور نظمیں بھی۔ نثر کی جانب ٹیگور نے مجھے مخاطب کیا تھا غزلیں آبائی اور ماحولی اثرات کا نتیجہ ہیں اور نظموں کے باب میں وحید الدین صاحب سلیم کا شکر گزار ہوں کہ اس صنفِ صحیح کی جانب، سب سے پہلے، انہیں بزرگوار نے مجھے توجہ دلائی تھی اور اُس کے ساتھ ساتھ تغزّل پر مرحوم ہی نے اس قدر قہقہے مارے تھے کہ میرے دل کو اس غیر فطری صنعت سے پھیر دیا تھا۔

آپ میری اس وقت تک کی شاعری کی عمارت کو بخوبی دیکھ چکے ہیں ——— اب میں اس عمارت کی خشتِ اوّل کو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں، اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ یہ خشتِ اوّل "کج" ہے یا "راست" ———

اے دل نہ سنا عہدِ طرب کی باتیں
رنگین فسانہ ہائے شب کی باتیں
بکھری ہوئی زلف، سانس مہکی مہکی
اے خانہ خراب، ہیں یہ کب کی باتیں؟

(اختر لکھنوی) جوش

نذر

اے صبحِ صادق! اے عروسِ فطرت!! مَیں اِس ناچیز تصنیف کو
تیرے نورانی قدموں سے مس کرنے لایا ہوں..... اسے قبول کر.....

اگر تو نہ مسکراتی تو کارخانۂ قدرت میں غور کرنے والا شاعر لوحِ محفوظ کا
مطالعہ کبھی نہ کرسکتا اور نہ شاہدِ معنی کا رخسار ہی دیکھ سکتا!!!

مَیں ہوں تیرا پرستار
جوشؔ

بقدرِ ذوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کیلئے

"فرقان فاطمہ" [redacted]

نظم

بیاورید گر اینجا بود سخندانی
غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

لوحِ دل پہ نقش تھا جب تک کہ یہ مہمل خیال   "دوستوں کو واقعی مجھ سے محبت ہے کمال"
"اثر یہ جذبات کو ہونے نہ دینگے پائمال   خواب میں بھی مجھ کو پہونچیگا نہ ان سے کچھ ملال

ان پہ میرا حق ہے میرا زور ہے میرے ہیں یہ
ہوں بُرے" لیکن مرے حق میں بہت اچھے ہیں یہ

اس خیالِ خام نے کیا کیا نہ کی مجھ پر جفا   میں سمجھتا تھا جنہیں سر حلقۂ اہلِ صفا
جانتا تھا جن کو میں جانِ کرم روحِ وفا   کہہ نہیں سکتا زباں سے کچھ "انہوں نے کیا کیا"

کیا بتاؤں سختیاں کیں یا ذرا شفقت نہ کی
مختصر یہ ہے "صفائے نفس" کی عزت نہ کی

میں محبت آشنا دل سے پشیماں ہو گیا   وہ پشیمانی ہوئی، سر در گریباں ہو گیا
زندگی دوبھر ہوئی، مرنے کا ساماں ہو گیا   عرصۂ ہستی سمٹ کر تنگ زنداں ہو گیا

آئی پہلو سے صدا "ناداں وہ دنیا میں ہیں"
"حق" کسی پر جو سمجھنے میں بہت ایذا میں ہیں"

"آدمی کی دوستی کا کچھ نہیں ہے اعتبار"   "تو بھروسہ ان پہ کرتا ہے ارے غفلت شعار"
"فصلِ گل" "بادِ خزاں" سے مانگ "دوزخ" سے "بہار"   "دوستوں" سے "مہربانی" کا نہ ہو امیدوار"
"تو سمجھتا ہے جنہیں فی الحقیقت دوست ہیں   "وہ تری املاک کے خواہاں ہیں زر کے دوست ہیں"

"کہتے ہیں جس کو "قرابت" دشمنی کا نام ہے" "اپنے مطلب سے غرض اپنی غرض سے کام ہے"
دور رہ دنیا سے اس تکلیف میں آرام ہے" "ماسوا کی دوستی ہی موت کا پیغام ہے"

"مہرباں" بیگانہ ہے" "نامہرباں" بیگانہ ہے"
"دیکھ آنکھیں کھول" یہ سارا جہاں بیگانہ ہے"

"مہرباں بھی ہوں اگر بالفرض یار و آشنا راستی بھی آئے اگر تجھ کو زمانے کی ہوا"
"دوست رکھتے ہوں تجھے سب اپنی جانوں سے سوا "تا بہ کے یہ رسم الفت" یہ محبت تا کجا؟"

"نام رہ جائے گا باقی دہر میں اللہ کا"
"موت" اک دن قطع کر دے گی یہ رشتہ چاہ کا"

ٹھان لی یہ من کے "درد ہجر سہنا چاہیے شکوہ کیسا اب زباں سے کچھ نہ کہنا چاہیے
بن کے سیل اشک ویرانوں میں بہنا چاہیے سبزۂ بیگانہ کے مانند رہنا چاہیے

کیونکہ بزم دہر میں اگلی سی وہ رونق نہیں
اب عزیز و اقربا پر کوئی میرا حق نہیں"

سانس لی یہ فیصلہ کرتے ہی اطمینان سے ختم گویا ہو گئے دنیا کے سارے مرحلے
دفعتاً پیدا ہوئے سینے میں تازہ ولولے "مسکرایا میں زمین و آسماں کو دیکھ کے!
آئی بوئے دوستی فطرت کے ساماں سے مجھے لینے آئی اک مہک صحن گلستاں سے مجھے

کُھل گیا درِ ناز سے آنے لگی ٹھنڈی ہوا   سازِ غنچوں نے لئے گانے لگی ٹھنڈی ہوا
دوست کی خوشبو سے تڑپانے لگی ٹھنڈی ہوا   گیسوؤں میں مجھ کو الجھانے لگی ٹھنڈی ہوا

غنچۂ خاطر کہ مرجھایا ہوا تھا کھل گیا
دل مرا نیچر کے اس پیغامبر سے مل گیا

چھوڑ کر انساں کو میں فطرت کا شیدا ہو گیا   خوبیٔ قسمت کہ فوراً ربط پیدا ہو گیا
میرا ہمدم سبزہ زار و کوہ و صحرا ہو گیا   دوست میرا چشمہ و گلزار و دریا ہو گیا

مجھ کو حلقے میں تبسم نے لیا خورشید کے
”شامِ غم“ رخصت ہوئی جلووں میں صبحِ عید کے

دوست یہ ایسے ہیں جو دھوکا نہیں دیتے کبھی   جھوٹ سے واقف نہیں ہے ان رفیقوں میں کوئی
وقت آتا ہے تو کھل جاتی ہے ہنسکر چاندنی   صبح ہوتے ہی چٹک جاتی ہیں کلیاں باغ کی

انکے وعدے وقت پر ایفا نہوں ممکن نہیں
کونسی وہ رات ہے جسکے سرے پر ”دن“ نہیں

رات چھٹکاتی ہے تارے صبح برساتی ہے نور   موسمِ باراں بچھا دیتا ہے سبزہ دور دور
”چاندنی شب بھر دکھاتی ہے ضیائے روئے حور   ذرہ ذرہ صبح کو کہتا ہے ”میں ہوں برقِ طور“
”رات زلفیں کھولدیتی ہے سلانے کے لئے   تاج پہنے صبح آتی ہے جگانے کیلئے!

لہریں ہنس ہنس کر عجب نغمے سناتی ہیں مجھے   ڈالیاں پھولوں کی جھک جھک کر بلاتی ہیں مجھے
شاخیں اپنے سائے میں پہروں بٹھاتی ہیں مجھے   ندیاں اپنے کناروں پر سُلاتی ہیں مجھے

کوئی مجھ کو رنج ان احباب میں دینا نہیں
اور اس خدمت کی قیمت بھی کوئی لینا نہیں

دیکھتے ہیں مجھ کو پہروں خندہ پیشانی سے پھول   کس قدر مانوس ہیں آئینِ مہمانی سے پھول
ٹوٹ کر دامن میں آ جاتے ہیں آسانی سے پھول   کرتے ہیں مسرور مجھ کو اپنی قربانی سے پھول

پھول کے مانند انسانو! تمہارا دل نہیں
میری خاطر جان بھی دینا انہیں مشکل نہیں

گونجتی ہے کوہ و صحرا میں پپیہے کی صدا   اودی اودی آسمانوں پر جب آتی ہے گھٹا
روح کو بیدار کرتی ہے بیاباں کی ہوا   دور ہوتی ہے "خودی" سینے میں آتا ہے "خدا"

کام رہتا ہے نہ دولت سے نہ فانی جاہ سے
لو لگا کر بیٹھ جاتا ہوں فقط "اللہ" سے

"صاف دل ہو جا" مجھے تعلیم یہ دیتی ہے نہر   ندیوں کے پیچ و خم سے خون میں آتی ہے لہر
دشت ہنستے ہیں کہ "آبادی پہ کیوں نازاں ہیں شہر؟"   آبِ حیواں جس کو سمجھے ہیں وہ ہے اک موجِ زہر
سوز دیتا ہے بھری برسات کا دریا مجھے   عقل دیتا ہے گھنے جنگل کا سناٹا مجھے!!

نقرئی چادر بچھاتا ہے مہِ سیمیں بدن　　　چومتی ہے آکے پیشانی مری زرّیں کرن
دیکھ کر شاداب ہوتا ہے مجھے صحنِ چمن　　　کس قدر خوش ہوں کہ جنگل ہی مرا پیارا وطن
روز صحرا کی طرف جانا مرا دستور ہے
بستیوں میں ہوں مگر میری قرابت دُور ہے

مناظرِ سحر

کیا روح فزا جلوۂ رخسارِ سحر ہے　　　کشمیر دلِ زار ہے فردوسِ نظر ہے
ہر پھول کا چہرہ عرقِ حسن سے تر ہے　　　ہر چیز میں اک بات ہے ہر شے میں اثر ہے
ہر سمت بھڑکتا ہے رُخِ حُور کا شعلہ
ہر ذرّۂ ناچیز میں ہے طُور کا شعلہ!
لرزش وہ ستاروں کی، وہ ذرّوں کا تبسّم　　　چشموں کا وہ بہنا کہ فدا جن پہ ترنّم
گردوں پہ سپیدی و سیاہی کا تصادم　　　طوفان وہ جلووں کا، وہ نغموں کا تلاطم!!
اُڑتے ہوئے گیسو وہ نسیمِ سحری کے
شانوں پہ پریشاں ہیں یا بال پری کے

وہ پھیلنا خوشبو کا وہ کلیوں کا چٹکنا وہ چاندنی مدھم، وہ سمندر کا جھلکنا
وہ چھاؤں میں تاروں کی گلِ تر کا مہکنا وہ جھومنا سبزہ کا، وہ کھیتوں کا لہکنا

"شاخوں سے مِلی جاتی ہیں شاخیں" وہ اثر ہے
کہتی ہے نسیمِ سحری "عیدِ سحر ہے"

خنکی وہ بیاباں کی، وہ رنگینیٔ صحرا وہ وادیٔ سرسبزہ وہ تالابِ مصفّا
پیشانیٔ گردوں پہ وہ ہنستا ہوا تارا وہ راستے جنگل کے وہ بہتا ہوا دریا

ہر سمت گلستاں میں وہ انبار گلوں کے
شبنم سے وہ دھوئے ہوئے رخسار گلوں کے

وہ روح میں انوارِ خدا، صبح وہ صادق وہ حُسن جسے دیکھ کے ہر آنکھ ہو عاشق
وہ سادگی انسان کی فطرت کے مطابق زرّیں وہ اُفق، نُور سے لبریز وہ مشرق

وہ نغمۂ داؤدی پرندوں کی صدائیں
پیراہنِ یوسفؑ کی وہ تاثیر ہوائیں

وہ برگِ گلِ تازہ، وہ شبنم کی لطافت اِک حُسن سے وہ خندۂ سامانِ حقیقت
وہ جلوۂ اصنام، وہ بُتخانہ کی زینت زاہد کا وہ منظر، وہ برہمن کی صباحت
ناقوس کے سینے سے صدائیں فغاں کی وہ حمدیں دبی ہوئی آوازِ اذاں کی

آقا کا غلاموں سے یہ ہے قرب کا ہنگام
دل ہوتے ہیں سرشار، فنا ہوتے ہیں آلام
چھا جاتی ہے رحمت، تو برس پڑتے ہیں انعام
اِس وقت کسی طرح مناسب نہیں آرام
رونے میں جو لذّت ہے تو آہوں میں مزا ہے
اے روح! "خودی" چھوڑ کہ نزدیک "خدا" ہے!

گریۂ مسرّت

نازنین و عفیف اِک بیوی
یادِ شوہر میں سُست بیٹھی تھی
غمزدہ، مضمحل، پریشاں حال
شکل غمگین، پُر شکن خط و خال
سوزِ ہجراں کی آنچ سینے میں!
پھر وہ برسات کے مہینے میں!
اُودی اُودی گھٹائیں آتی تھیں
اُس کے دل پر بلائیں آتی تھیں
دل میں کہتی تھی "کب وہ آئینگے"
"کب یہ دن بیکسی کے جائینگے"
منہمک تھی اِنہیں خیالوں میں
غرق تھی ہجر کے ملالوں میں
در و دیوار پر اُداسی تھی
چشم و ابرو پہ بدحواسی تھی
دفعتاً چاپ سی ہُوئی محسوس
ہل گیا خوف سے دلِ مایوس

یک بیک بام و در جھلک اُٹھے در و دیوار سب مہک اُٹھے

اُس نے حیرت سے مڑ کے جب دیکھا

پیارے شوہر کو پشت پر پایا!!

آنکھ اُٹھانے ہی ہو گئی حیرت سامنے اُسکے تھی وہی صورت ....

روز روتی تھی جس کی فرقت میں اشک بہنے لگے مسرت میں

ہنس کے شوہر نے چھیڑ سے پوچھا

"میرے آنے سے کیا ہوئی ایذا؟"

دل کے چشمے یہ کیوں اُبل آئے؟"

اشک کیوں دفعتاً نکل آئے؟"

سن کے شوہر کا یہ عجیب خیال عرض کرنے لگی وہ دل کا حال

بولی "آنکھیں تھیں ہجر سے خونبار" ہو گئی تھیں فراق سے بیمار

"تابشِ حسن نے دوا بخشی" "لذّتِ دید نے شفا بخشی"

"یہ مری آنکھ میں جو آنسو ہیں" "ان میں صد ہا خوشی کے پہلو ہیں"

پردۂ اشک میں مسرت ہے"

"آج آنکھوں کا غسلِ صحت ہے"!!

خیالاتِ زرّیں

نو رازِ فراغت کیا جانے محدود تری آگاہی ہے
اپنے کو پریشاں حال سمجھنا عقل کی یہ کوتاہی ہے
دولت کیا ہے؟ اِک روگ ہے دل کا حرص نہیں گمراہی ہے
دُنیا سے بے پروا رہنا سب سے بڑی یہ شاہی ہے
اِس قول کو میرے مانے گا جو صاحبِ دل ہے انا ہے
کہتے ہیں جسے "شاہنشاہی" حاجت کا روا ہو جانا ہے
پینے کو میسّر پانی ہے کھانے کے لئے حاضر ہے غذا
تفریح کو سبزہ جنگل کا صحت کی محافظ صاف ہوا
پوشش کیلئے ملبوس بھی ہے رہنے کو مکاں بھی ستھرا سا
اور اس کے سوا کیا حاجت ہے انصاف تو کر تو دل میں ذرا
راحت کیلئے جو ساماں ہیں قدرت نے بہم پہنچائے ہیں
اے بندۂ زر! پھر تیری ہوس نے پاؤں یہ کیوں پھیلائے ہیں

دولت کا نتیجہ کُلفت ہے، سامانِ امارت ذلت ہے
جس دل میں ہوس کی کثرت ہے، دور اُس سے حقیقی راحت ہے
ارمان بہت ہیں، کم کر دے ہستی یہ نہیں، اک غفلت ہے
آغاز سراپا دھوکا ہے، انجام سراسر عبرت ہے
تاریخ اُٹھا! بتلائیگی وہ، "دنیا میں خوشی کا نام نہیں
جس دل پہ ہوس کا سکہ ہے اُس دل کیلئے آرام نہیں"
صحت میں تری کچھ حرج نہیں، اعضا میں ترے نقصان نہیں
پھر بھی یہ شکایت تجھ کو ہے" اسباب نہیں سامان نہیں"
انعام خدا کا منکر ہے، اللہ پہ اطمینان نہیں
تو حرص و ہوا کا بندہ ہے مضبوط ترا ایمان نہیں
دنیا کی حکومت تیری ہے، اپنے کو گدا کیوں کہتا ہے
سامانِ فراغت حاضر ہیں، بیکار پریشاں رہتا ہے
یہ ابر، یہ وادی، یہ گلشن، یہ کوہ و بیاباں، یہ صحرا
یہ پھول، یہ کلیاں، یہ سبزہ، یہ موسمِ گل، یہ سرد ہوا
یہ شام کی دلکش تفریحیں، یہ رات کا گہرا سناٹا

یہ پچھلے پہر کی رنگینی، یہ نورِ سحر، یہ موجِ صبا
معبود کی کس کس بخشش کو منکر بے گا چھپائے جائے گا
اللہ کی کس کس نعمت کو اُمتِ منکر دیں جھٹلائے گا
اللہ کی رحمت عام ہے سب پر "شاہ" ہو اس میں یا ہو "گدا"
یہ چاند، یہ سورج، یہ تارے، یہ نغمۂ بلبل، یہ دریا
دونوں کے لئے یہ تحفے ہیں، کچھ فرق اگر ہے تو اتنا
اِن جلوؤں سے لذّت پاتا ہے آزاد کا دل منعم سے سوا
شاہوں کے سروں میں تاجِ گراں سے درد سا اکثر رہتا ہے
جو اہلِ صفا ہیں اُن کے دل میں نور کا چشمہ بہتا ہے
آگاہ ہو جو تُو چاہتا ہے دنیا میں نہیں وہ ہونے کا
اسبابِ طرب کا جویا تو، سامان یہاں ہے رونے کا
"دولت" کو بھلا کیا سمجھا ہے اخلاق کی قوت کھونے کا؟
ایمان کے دل کا داغ ہے یہ، سکّہ یہ نہیں ہے سونے کا
کیا کرتا ہے ناداں! بھاگ ادھر سے نار ہے اِن دیناروں میں
یوں ہاتھ نہ ڈال اِن دوزخ کے دہکتے ہوئے انگاروں میں

اسبابِ تموّل زنجیریں، ایوانِ حکومت زنداں ہے
دلچسپ جسے تو سمجھا ہے، وحشت کا وہ ساز و ساماں ہے
سکوں کی چمک پر مرتا ہے، دولت کے لئے سرگرداں ہے
تو رازِ فنا معلوم تو کر، دنیا کے لئے کیوں حیراں ہے
اُس شئے سے تعلق ہی کیسا، جو چیز کہ جانے والی ہے
سامانِ تعیّش جمع کئے جا! موت بھی آنے والی ہے
آراستہ ہو کر جلووں سے جب سامنے دنیا آتی ہے
راحت کے ترانے گاتی ہے، دولت کی چمک دکھلاتی ہے
جب آنکھ پہ قبضہ کرتی ہے، سینہ میں ہوس بھڑکاتی ہے
ایمان و یقیں کی شمعِ درخشاں بن کے دھواں اُٹھاتی ہے
ملتا ہی نہیں ہے جسم سے پھر جب عضو کوئی کٹ جاتا ہے
بس یونہیں ہوس کے بندے کا معبود سے دل ہٹ جاتا ہے
شاہوں کی امارت جسمانی، قانع کی حکومت روحانی
ظاہر کی مسرّت سلطاں کو، آزاد کو لذّت وجدانی
دنیا کے تماشے عبرت زا، عقبیٰ کے مناظر لاثانی

مرنے میں حقیقی آزادی جینے میں سراسر حیرانی
بندے جو ذرا بھی عقل ہو تجھ میں نام جہاں میں کر جانا
اللہ اگر توفیق تجھے دے موت سے پہلے مر جانا

آرام کی خواہش مہمل ہے، یہ "قبر" نہیں ہے "دُنیا" ہے
یہ "زیست" نہیں ہے "کلفت" ہے، یہ "سانس" نہیں ہے "ایذا" ہے
آگاہ ہو اے نادان! کدھر تو پیاس بجھانے جاتا ہے
ذرّوں کی چمک کا یہ چشمہ، یہ ریگِ رواں کا دریا ہے!
سن جوش کی باتیں غور سے تو مشتاق نہ بن اس ارذل کا
اے دوست! یہ "دُنیا" سایہ ہے گرمی کے پریشاں بادل کا

طوفانِ بے ثباتی

چاندنی تھی صبح کا ہنگام تھا — میں یکایک اپنے بستر سے اُٹھا
ڈوبتے تاروں کو دیکھا غور سے — آنکھ میں اشکوں سے طوفاں آگیا
ذرّہ ذرّہ میں زمیں سے تا فلک — موج زن تھا اک سمندر حُسن کا
وہ گلابی روشنی، ہلکا وہ نور — وہ تڑپ دریا کی، وہ ٹھنڈی ہوا

وہ نسیمِ صبح کی اٹھکیلیاں — وہ ترنم خیز جھونکے وہ ہوا
آنکھ اٹھائی، روح بالیدہ ہوئی — سانس لی، اور خون تازہ ہو گیا!
دل ہلا روحانیت کے جوش سے — سجدۂ معبود میں سر جھک گیا
خاک پر رکھتے ہی سجدے میں جبیں — دفعتاً اک درد سینے میں اٹھا
"باغِ عالم پر نظر" کر غور سے" — دوست کی پہلو سے آئی یہ صدا!
"سطحِ حیوانیت سے ہو بلند" — "منتظر ہے خلد کی آب و ہوا"
"سرمدی جلوے ترے مشتاق ہیں" — "میرے بندے کھول لے آنکھیں ذرا!"
"حافظہ کو سینچ ہماری یاد سے" — "ذہن کو دنیا کی فکروں سے بچا"
"میری جانب دیکھ اے فانی وجود" — "دیکھ رنگِ دہر سے دھوکا نہ کھا"
"زندگانی کا سبق لے پھول سے" — "دیکھ اس کی ابتدا و انتہا"

بس یہ سنتا تھا کہ میں دیوانہ وار
تیز تیز اک باغ کی جانب چلا

دلربا کلیاں کھلی تھیں ہر طرف — خوشنما سبزہ بچھا تھا جا بجا،
اوس کے موتی پڑے تھے خال خال — صاف تھے چشمے معطر تھی ہوا،
خون میں گردش تھی آنکھوں میں سرور — میں اسی عالم میں اک جانب بڑھا

آہ کھینچی میں نے شاخِ گُل کے پاس
اِک کلی کو توڑ کر بوسہ دیا

گرمیٔ سُرخی سے کھل جاتے ہیں پھول — یہ ہوا کا کام ہے اور دھوپ کا
فعل تھا فطرت کا جو کچھ اصل میں — وہ عمل میرے تنفّس نے کیا
شاخِ نازک سے کلی کو توڑ کر — جیسے ہی میں نے لبوں سے مس کیا

مجھ کو حیرت ہو گئی یہ دیکھ کر
غنچہ چٹکا، اور چٹک کر کھل گیا

مجھ پہ بھی لیکن ہوا طرفہ اثر — رُوح کا "ست" پتیوں میں کھنچ گیا
جس طرح شبنم کو پیتی ہے کرن — پھول میری رُوح کو یوں پی گیا!!

شاخِ گُل سے خون ٹپکا بعد ازاں
اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا!

ہوش میں آیا تو دیکھا دھوپ تھی — اور پڑا تھا پھول مرجھایا ہوا!!

یہ صدا گونجی ہوئی تھی ہر طرف
"سوچ اپنی ابتدا و انتہا!!"

تماشائے قدرت

جھٹپٹا وقت ہے لبِ دریا — ایک مندر میں جل رہا ہے دیا
روشنی رُوح کو لبھاتی ہے — بہ کے لہروں میں مسکراتی ہے
موجیں تھم تھم کے ہو رہی ہیں رواں — قطرہ قطرہ ہے مشعلِ ایماں
حُسن کی رُوح ہے نمودِ چراغ — کاکلِ پُرشکن ہے دودِ چراغ
چرخ پر ہے شفق کی گلکاری — ہر طرف اِک سکوت ہے طاری
میری آنکھیں جمی ہوئی ہیں اُدھر — نُور میں غوطہ زن ہیں قلب و نظر
سینہ روشن ہے درد کی ضو سے — گرم ہے دل چراغ کی لَو سے
کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے — میری حالت پہ مسکراتا ہے
"وحشتِ دل سے ربط ہے اِس کو" — لوگ کہتے ہیں "خبط ہے" اِس کو"
لیکن اتنی کسی میں عقل کہاں — کہ سمجھ لے ہر اک یہ رازِ نہاں....
کہ یہ چیزیں علوم کے سِر ہیں — مرکزِ فکر یہ مناظر ہیں .....
اِن سے ہوتی ہے عقل کو صحت — اِن سے آتی ہے رُوح میں قوّت
جلوہ گر اِن میں برقِ عرفاں ہے — اِن مناظر میں سوز پنہاں ہے!

حالاتِ حاضرہ (بزمانۂ جنگ)

ہر چیز پر سکوت ہے ہر شے پہ یاس ہے — غم حکمراں ہے دہر میں دنیا اداس ہے
جلوے ہیں شامِ غم میں نہاں صبحِ عید کے — دھندلے ہیں خط و خالِ عروسِ اُمید کے
کشتی رواں ہے نیست کی دریائے زہر میں — بجلی تڑپ رہی ہے مسرت کی لہر میں
عالم ہے شاخِ گُل میں عجب پیچ و تاب کا — کانٹے ہیں اور پھول نہیں ہے گلاب کا
"لذت" اڑی ہے "خواب" سے، "وسعت" خیال سے — "آب" آئینہ سے "قوتِ برقی" جمال سے
صبحیں چھپی ہیں قہر کی پُر ہول رات میں — ڈوبا ہے زہر چشمۂ آبِ حیات میں
تابندگی کے راز سے محرم نہیں رہے — وہ رشتے گُل پہ قطرۂ شبنم نہیں رہے
فطرت کو انتظام پہ قدرت نہیں رہی — "پانی" گھٹا میں "پھول" میں "نکہت" نہیں رہی
سینوں میں قلب برف کے مانند سرد ہیں — بس حد ہوئی کہ چہرۂ خوباں بھی زرد ہیں
سلطاں بڑھے ہیں دہر کے لشکر لئے ہوئے — اور اُن کے ساتھ قحط بھی خنجر لئے ہوئے
یہ جنگ کیا ہے؟ ایک مجسم جنون ہے — گلزارِ کائنات کے تھالوں میں خون ہے
خلقت تمام قحط سے بے آب و دانہ ہے — اُس پہ وبا کا زور، یہ کیسا زمانہ ہے
عالم کے بام و در میں مریضوں کی آہ ہے — دنیائے طب ہجومِ مرض کی گواہ ہے

نسخوں سے تھک گئی ہیں غریبوں کی انگلیاں ——— نبضوں نے کیں فگار طبیبوں کی انگلیاں

اب حد کے اختیار میں قیمت نہیں رہی ——— "ڈاکہ" رہا ہے رسمِ تجارت نہیں رہی

خنجر سے غم کے رشتۂ آرام کٹ گیا ——— شعلے سے آتشی کے اندھیرا لپٹ گیا

پچھلے پہر میں اب وہ صباحت نہیں رہی ——— وہ جھٹپٹے کی سانولی صورت نہیں رہی

"گرمی کی شام" اور کوئی بانکپن نہیں! ——— جاڑوں کی صبح' اور سنہری کرن نہیں!

ہستی کی مملکت میں تباہی کا راج ہے! ——— ہشیار ہو کہ فرقِ مصیبت پہ تاج ہے

محویتِ حسنوں میں مری یاس مٹ گئی!!

دل یوں مٹا کہ قوتِ احساس مٹ گئی!!

انتظار کے آخری لمحے

جلوہ کسی کا طورِ سینا ہی چاہتا ہے ——— دل پرتوِ جمالِ زیبا ہی چاہتا ہے

حسنِ صبیح چشمِ بینا ہی چاہتا ہے ——— اب صبح کا ستارہ چمکا ہی چاہتا ہے

عکس آئینہ کے اندر اترا ہی چاہتا ہے

تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

ظاہر ترے کرم کے آثار ہو رہے ہیں ——— خوابیدہ ہوش اپنے بیدار ہو رہے ہیں

دل اور جگر بباطن سرشار ہو رہے ہیں   تھے تندرست، لیکن بیمار ہو رہے ہیں
عکس آئینہ کے اندر اترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

اوصاف عارفانہ جلوہ دکھا رہے ہیں   دامانِ معصیت سے دھبے مٹا رہے ہیں
صبر و شکیب دل پر سکہ بٹھا رہے ہیں   آثار ہیں یہ جتنے، ہم کو بتا رہے ہیں
عکس آئینہ کے اندر اترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

یہ کوہ یہ بیاباں یہ وادیاں یہ دریا   ان پر نظر جو ڈالی، ایماں کو زور پہونچا
فطرت سے ہم نے کتنا باریک ذہن پایا   ان حِس کی قوتوں سے ہم کو یقین آیا
عکس آئینہ کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

میری نظر میں یکساں تیری تمام خلقت   مدت سے اب نہیں پابندِ قوم و ملت
سب سے مجھے تعلق، سب سے مجھے محبت   دل سے یقیں ہے اسکا اب بے دلیل حجت
عکس آئینہ کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

سینہ تجلّیوں سے معمور ہو گیا ہے　　ہر داغ اپنے دل کا ناسور ہو گیا ہے
پروانہ وار جلنا مشہور ہو گیا ہے　　پچھلے پہر سے رونا دستور ہو گیا ہے

عکس آئینہ کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے

تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

اب تیرے تذکرے میں باقی ہی رہی لذّت　　تسبیح میں مزا ہے تقدیس میں مسرت
مبذول ہو رہی ہے مجھ پر تری عنایت　　پہونچا ہی چاہتا ہوں تا مرکزِ حقیقت

عکس آئینہ کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے

تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

جب بیکسی میں گھر کر کوئی غریب رویا　　رِقّت ہوئی وہ طاری ہلنے لگا کلیجا
آنکھوں نے بھی دکھایا جوشِ خروشِ دریا　　میں اس گداز دل سے سمجھا یہ راز سمجھا

عکس آئینہ کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے

تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

شمعیں وہ جھلملائیں، وہ آفتاب نکلا!　　وہ صبح مسکرائی، وہ جوشِ نور پھیلا!
"خوش آمدید" کہہ کر سینے میں دل وہ تڑپا!　　وہ اٹھ گئیں نگاہیں کھنچنے لگا وہ پردا!!
عکس آئینہ کے اندر اترا ہی چاہتا ہے　　تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

حقیقتِ دل

آئیں اسکول کے احباب سنیں دردِ مرا
گرم کر دے گا لہو، ہر نفسِ سردِ میرا

آئیں بیٹھیں، مری تقریر سنیں، غور کریں
عافیت کا کوئی سامان بہر طور کریں

کیوں شکایت ہے کہ "پڑھنے کا اسے شوق نہیں"
"دل میں تحصیلِ کمالات کا کچھ ذوق نہیں"

"مدرسہ کیوں نہیں آتا" یہ شکایت کیا ہے
کاش پوچھیں تو ترے دل پہ مصیبت کیا ہے؟

آئیں اور جھک کے سنیں کان لگا کر باتیں
تیغ باتیں ہیں چھری باتیں ہیں خنجر باتیں

میں لڑکپن سے جسے عشقِ کمالات رہا
علم حاصل ہوا اسی شغل میں دن رات رہا

بھائی سے کام تھا مجھ کو نہ کسی ہمسن سے
لڑکے کہتے تھے "کبھی ہم نہیں کھیلے ان سے"

اور اب میں وہی کمبخت کہ پڑھتا ہی نہیں
سامنے علم کا میدان ہے بڑھتا ہی نہیں

دل یہ کہتا ہے کہ اب زیست کے دن ہیں تھوڑے
حرف گھس گھس گئے نظر سے کوئی آنکھیں پھوڑے

دوستو! دل میں خیال اب یہی آیا ہوگا
کیوں ہوا اس میں یکایک یہ تغیر پیدا؟

اپنی تکلیف کے کس طرح بتاؤں اسباب   ہو گا مجھ سا بھی نہ دُنیا میں کوئی خانہ خراب

غور سے اب مرے پڑھنے کی حکایت سنئے
دل کا جب تک نہ کہوں حال کوئی کیا جانے؟

(۱)

ایک تنکا بھی اگر آنکھ میں پڑ جاتا ہے   آدمی ہے کوئی ایسا جسے چین آتا ہے؟

. . . .

چین لینے دیں بھلا کب مجھے ایسی آنکھیں!
جن کے پردوں میں سمائی ہوں کسی کی آنکھیں!!

(۲)

اکثر آنکھوں کی اذیت کو بھلا دیتا ہوں   میز سے بڑھ کے کتاب ایک اٹھا لیتا ہوں
لیکن آساں نہیں اُس قلب کا شاداں ہونا   جس کی تقدیر میں لکھا ہو پریشاں ہونا
روبرو آنکھ کے جس وقت کتاب آتی ہے   اِک جھلک صفحۂ قرطاس پہ پڑ جاتی ہے
نقطہ نقطہ نظر آتا ہے مجھے برق لباس   شمعیں جل اُٹھتی ہیں ہر مرکز و اعراب کے پاس
دیر تک کچھ نظر آتا نہیں بجلی کے سوا   دفعتاً ہوتی ہے ہر سطر میں جنبش پیدا
حرف دب جاتے ہیں کچھ دیر میں رفتہ رفتہ   صاف کھنچ جاتا ہے ہر نقطہ پہ اُن کا نقشہ!

(۳)

جب کیا قصد کریں یاد کتابیں سُنکر　　ہم سبق آئے سُنانے کہ اٹھا دردِ جگر

یک بیک جوش ہوا ذہن و ذکا میں پیدا
اِک ترنم سا ہوا موجِ ہوا میں پیدا

دوست کی آئی صدا ”حُسن یگانہ میرا　　کان رکھتا ہے تو سُن دل سے فسانہ میرا“
سا ”میری آواز کی پابند سماعت تیری“　　”گھیر لی ہے مرے جلوے نے بصارت تیری“
عاشقی چیست؟ بگو بندۂ جاناں بودن　　دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

جوشِ تعلیم کجا، عشقِ جگر دوز کجا!
محفلِ علم کجا، جلوہ گہہ سوز کجا!

نفسِ مطمئنہ

تھے اِک ایسے مقام پر حیدرؑ　　کہ ہر آئینہ جان کا تھا خطر
آپ کو تھی مگر نہ کچھ پروا　　آپ پر تھا مگر نہ کوئی اثر
کیا اُسے خوف جو ہو شیرِ خدا!　　کیا ڈرے، جو ہو قاتلِ عنتر!
خوف کیا اُس کے دل کو توڑ سکے!　　جس نے توڑا ہو قلعۂ خیبر!
اُس کے سینے میں کیا ہراس آئے!　　جس کو کہتے ہوں "نفسِ پیغمبرؐ"!
آپ کے ساتھ تھے حسینؑ اُس وقت　　عرض کی "اے امامِ جن و بشر!"
"آپ کو کچھ نہیں خیال اپنا"　　"نہ زرہ ہے، نہ ہاتھ میں ہے سپر"
"جان جانے کا ہے یہاں ساماں"　　"آپ کو کچھ نہیں ہے فکر مگر"

جوشِ شبیرؑ نے کہا جو کچھ
قول مبنی تھا یہ محبت پہ
"ورنہ خدشہ کہاں حسینؑ کہاں
کربلا کے تو یاد ہیں منظر

خیر جملہ تھا یہ تو معترضہ　　پھر اُسی سمت آئیے پھر کر

ختم تقریر جب حسینؑ نے کی ہنس کے کہنے لگے شہ صفدر

"نازپروردہ خدا و رسولؐ"

"موت کو جانتا ہے فتح و ظفر"

"اِس سے ڈرتا نہیں ہے باپ ترا"

"موت پر وہ گرے" کہ موت اُس پر!"

"دُنیا میں آگ لگی ہے میرا دل بہترین خلوت ہے

مُناسب ہے تو میرے دل ہی میں چلے آؤ"

موجِ ہوا کے اندر شعلہ بھڑک رہا ہے گرمی کی دوپہر ہے سورج دہک رہا ہے

تپتی ہوئی زمیں سے آنچیں نکل رہی ہیں پتھر سلگ رہے ہیں کانیں پگھل رہی ہیں

ہر قلب پھنک رہا ہے تہ خانہ چاہتا ہے پردہ میں لُو کے گویا عالم کراہتا ہے

لُو دے رہے ہیں کانٹے اور پھول کانپتے ہیں طائر سکوت میں ہیں چوپائے ہانپتے ہیں

کیوں جسمِ نازنیں کو لُو میں جلا رہے ہو؟

رُومال منہ پہ ڈالے کس سمت جا رہے ہو؟

وقت جلال اپنی شانِ عتاب پر ہے ٹھہرو! کہ دوپہر کی گرمی شباب پر ہے
دیکھو! یہ مسکن کس درجہ پُرفضا ہے سایہ بھی ہے میسّر، دریا بھی بہ رہا ہے
پانی ہے سرد و شیریں خنکی بھی دلنشیں ہے نزدیک و دور کوئی ایسی جگہ نہیں ہے
دکھتے ہوئے جگر کی حالت دکھاؤں تم کو
ٹھہرو تو بانسری پر "آہیں" سناؤں تم کو!

سانس لو یا خوش رہو

قسم اُس موت کی اُٹھتی جوانی میں جو آتی ہے
عروسِ نَو کو بیوہ، ماں کو دیوانہ بناتی ہے
جہاں سے جھٹپٹے کے وقت اِک تابوت نِکلا ہو
قسم اُس شب کی جو پہلے پہل اُس گھر میں آتی ہے
عزیزوں کی نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں مرنے والے کو
قسم اُس صبح کی جو غم کا یہ منظر دکھاتی ہے
قسم سائل کے اُس احساس کی جب دیکھ کر اُس کو
سیاہی دفعتاً کنجوس کے ماتھے پہ آتی ہے

قسم اُس سوز کی پیدا جو ہوتا ہے طبیعت میں
اندھیری رات میں رونے کی جب آواز آتی ہے
قسم اُن آنسوؤں کی ماں کی آنکھوں سے جو بہتے ہیں
جگر تھامے ہوئے جب لاش پر بیٹے کی آتی ہے
قسم اُس بے بسی کی اپنے شوہر کے جنازہ پر
کلیجہ تھام کر تازہ دُلہن جب سر جھکاتی ہے
نظر پڑتے ہی اک ذی مرتبہ مہماں کے چہرہ پر
قسم اُس شرم کی مفلس کی آنکھوں میں جو آتی ہے
قسم اُس درد کی جو ہجر کی راتوں میں اُٹھتا ہے
قسم اُس کرب کی جب روح کھنچکر لب پر آتی ہے
"کہ یہ دُنیا سراسر خواب اور خوابِ پریشاں ہے
"خوشی" آتی نہیں سینے میں جبتک سانس" آتی ہے

مجھے تیری نعمتوں کی خواہش نہیں

بے تعلق ہوں دین و دنیا سے حُبِ ثروت نہ فکرِ جنت ہے
نہ مجھے شوقِ صبحِ آسائش نہ مجھے ذوقِ شامِ عشرت ہے

نہ تو حور و قصور پہ مائل نہ تو ساقی و مے سے رغبت ہے
نہ تقاضائے منصب و جاگیر نہ تمنائے شان و شوکت ہے
"کچھ مجھے تیرے در سے ملجائے" کسی منافق کو اسکی حسرت ہے
کیا کروں گا میں نعمتیں لے کر میری ہر سانس ایک نعمت ہے

تجھ پہ روشن ہے اے مرے مولا کہ مرے دل میں سوزِ وحدت ہے
"تیرے انعام" کی نہیں خواہش
بلکہ مجھ کو "تری" ضرورت ہے!!!

برادرِ خُرد

اے رئیسِ باوفا اے جوش کی روحِ رواں
اے ضیائے خانۂ دل اے چراغِ خاندان
اے کہ طبیعت میں تری تنہا وفا اندیشیاں
اے کہ فطرت میں تری مضمر محبت کے نشاں
"فی الحقیقت جوہرِ اجداد کا حامل ہے تُو"
اقربا ہیں حسبِ قدر "اعضا" ہیں لیکن "دل ہے تُو"
اے کہ تیرا قلب مرکز ہے خلوص و لطف کا
اے کہ تیری ذات ہے سرچشمۂ صدق و صفا
"بھائیوں" میں تو "محبت" کا نہیں ہوتا پتا
سخت حیراں ہوں یہ جوہر تجھ میں کیونکر آگیا
"بھائی" ہو کر "ظلم و بیمہری" کی تجھ میں خو نہیں!
"قوّتِ دل" ہے مرا تو "قوّتِ بازو" نہیں!!

لہ برادر سعید رئیس احمد خاں رئیس سلمہٗ

"دُنیا"

دُنیا ہے دنی، خاک ہے دُنیا کا زر و مال   تذلیل کی بُنیاد یہ حشمت و اجلال
ادبار کوئی چیز ہے در اصل، نہ اقبال   وہ سر بھی کوئی سر ہے جو ہونیکو ہے پامال

بیدار ہیں دل جن کے وہ دُنیا سے خفا ہیں
جو پھول کے طالب ہیں وہ کانٹوں سے جدا ہیں

سلہ تکلیف کے اسباب کو "راحت" نہیں کہتے   جو چند نفس ہو اُسے "لذت" نہیں کہتے
دیباچۂ ماتم کو "مسرت" نہیں کہتے   جس شے کو فنا ہو اُسے نعمت نہیں کہتے

آرام کی خواہش نہ کر، دولت زر سے
لبریز کر رُوح کو اللہ کے ڈر سے

غدار زمانے کی لگاوٹ سے خبردار!   آگاہ ہو، آگاہ ہو! ہشیار ہو، ہشیار!
جھوٹی یہ امیدیں ہیں، پریشان ہیں افکار   کس نشے میں بدمست ہے، دُنیا کے طلبگار!

یہ شاخ ہے وہ جو کبھی پھولی نہ پھلی ہے
دُنیا تجھے نادان! کدھر لے کے چلی ہے!

کھینچے لئے جاتا ہے کہاں تجھ کو زمانہ   سُننے کے سزاوار نہیں ہے یہ فسانہ

سلہ یہ بند مصنّف کے ایک نو تصنیف مرثیہ کے ہیں۔

دولت ہی کوئی اصل میں شے ہے نہ خزانہ — دھوکا ہے یہ دھوکا ہے بہانہ ہے بہانہ

واللہ کہ تو حرص کے سانچے میں ڈھلا ہے

حق چھوڑ کے باطل کی پرستش کو چلا ہے

دنیا جسے کہتے ہیں کثافت کا ہے انبار — خنزیر کی ہڈی ہے کبھی کچھ بڑھ کے ہے مردار

ناپاک ہے بد اصل ہے کم ظرف ہے، بدکار — مردار شکم اس کا، تو نیت اسکی ہے بیمار

پھر حرص کے داغوں سے عفونت میں سوا ہے

ذلت کا یہ لقمہ ہے سگوں کی یہ غذا ہے

تو فخر سے کہتا ہے جسے "عیش و تنعم" — وہ خواب کی جنت ہے، وہ فردوس توہم

نالے ہی کی روداد ہیں نغمہ کہ ترنم — ہے مہرِ فغاں روشنئ ماہ تبسم

تو جس کو سمجھتا ہے کہ فردوسِ بریں ہے

دھندلی سی مسرت کا وہ سایہ بھی نہیں ہے

جا گورِ غریباں پہ نظر ڈال بہ عبرت — کھل جائیگی تجھ پر تری دنیا کی حقیقت

عبرت کے لئے ڈھونڈ کسی شاہ کی تربت — اور پوچھ کدھر ہے وہ تری شانِ حکومت

"کل تجھ میں بھرا تھا جو غرور آج کہاں ہے؟"

"اے کاسۂ سر بول! ترا تاج کہاں ہے؟"

خشک سالی

(یہ نظم ۱۹۱۸ء کی خشک سالی پر لکھی گئی تھی)

اے دلِ افسردہ وہ اسرارِ باطن کیا ہوئے؟
سوز کی راتیں کہاں ہیں پیار کے دن کیا ہوئے؟

آنسوؤں کی وہ جھڑی وہ غم کا ساماں کیا ہوا؟
تیرا ساون کا مہینہ چشمِ گریاں کیا ہوا؟

کیا ہوئی بالائے سر وہ لطفِ یزداں کی گھٹا
آسمانِ دل پہ وہ گھنگھورِ عرفاں کی گھٹا

اب وہ نالوں کی گرج ہے اب نہ وہ شورِ فغاں
اب اٹھتا ہے کلیجے سے محبت کا دھواں

اپنے افعالِ سیہ پر اب پشیمانی نہیں
اب پسینے کے ستارے زیبِ پیشانی نہیں

درد کی مدت سے اب دل میں چمک ہوتی نہیں
وہ ٹپک چھالوں کی، کوندے کی لپک ہوتی نہیں

ذکرِ مولیٰ سے لبوں پر اب وہ نرمی ہی نہیں
بھاپ سینے سے اٹھے کیا دل میں گرمی ہی نہیں

اب شرارے سوزِ غم کے دل میں پھٹتے ہی نہیں
اشک اب پچھلے پہر آنکھوں سے بہتے ہی نہیں

معرفت دل میں نہ اب وہ روح میں احساس ہے
لوگ کہتے ہیں کہ ہے لیکن نہیں تو پاس ہے

اب وہ آنکھوں میں اشکِ خوں نہ وہ دل میں گداز
اب وہ شامِ تمنا ہے نہ وہ صبحِ بہار

خشک ہیں آنکھیں، جبینیں تنگ، سینے سرد ہیں ۔۔۔ اب نہ وہ دُکھتے ہوئے دل ہیں نہ چہرے زرد ہیں

"آہ کی اور دل اُمنڈ آیا" یہ ہوتا ہی نہیں ۔۔۔ ڈوب کر ذوقِ فنا میں کوئی روتا ہی نہیں

پھول داغوں سے کِھلے تھے جس دلِ سرشار میں ۔۔۔ خاک اب مدت سے اُڑتی ہے اُسی گلزار میں

آنسوؤں سے نم جو رہتا تھا وہ داماں جل گیا ۔۔۔ لہلہاتا تھا جو سینے میں گلستاں جل گیا

رُوح میں بالیدگی کی قوتیں معدوم ہیں ۔۔۔ دونوں آنکھیں آنسوؤں کے فیض سے محروم ہیں

پیچ و خم سے بہنے والا دل کا دریا خشک ہے ۔۔۔ وہ بھری برسات یعنی چشمِ بینا خشک ہے

خون ہے دل میں مگر پہلی سی طغیانی نہیں ۔۔۔ ابر ہے، بادِ مخالف سے مگر پانی نہیں

جب یہ عالم ہے تو بارش کی شکایت کس لئے

بے محل یہ حسرتِ بارانِ رحمت کس لئے

اِک مجسم خشک سالی خود ہماری ذات ہے ۔۔۔ ضد ہماری ہستیوں کی "ابر ہے برسات ہے"

رحمتوں سے جوش میں آنے کی خواہش کیا کریں!

خود سراپا قحط ہیں امیدِ بارش کیا کریں!

سُراغِ راہرو

جہاں زمیں پہ رگڑ کا نشاں ہویدا ہے — دلیل اسکی ہے سانپ اس طرف سے گذرا ہے
نشاں ہلال نما راہ میں بتاتے ہیں — کہ تھوڑی دور پہ آگے سوار جاتے ہیں
غبارِ راہ نشاں ہے کسی تگ و پو کا — یقیں ہوتا ہے نقشِ قدم سے رہرو کا
ٹپک کے جھاڑیوں سے خون یہ بتاتا ہے — کہ زخم کھا کے اِدھر سے شکار بھاگا ہے
صنم تراش نہ ہو تو صنم نہیں بنتا — قدم نہ ہو تو نشانِ قدم نہیں بنتا
یونہیں یہ راہ کہ ہے جس کا نام کاہکشاں — یونہی یہ نقشِ قدم "ماہ و نیّرِ تاباں"
یونہیں یہ گرد سرِ راہ خوشنما تارے — رواں ہیں جن کی جبینوں سے حُسن کے دھارے

زمیں کا نور ہیں اور آسماں کی زینت ہیں
کسی کی شوخیٔ رفتار کی علامت ہیں !!

برقِ عرفاں

خاموشیٔ رات اپنا سکّہ جما چکی ہے — زلفِ سیہ کمر تک لہرا کے آ چکی ہے
پیشانیٔ فلک پر تارے جھلک رہے ہیں — تکیوں پہ مہوشوں کے عارض چمک رہے ہیں
خاموش ہیں ہوائیں ذرّے جمے ہوئے ہیں — شاخیں جھکی ہوئی ہیں دریا تھمے ہوئے ہیں
پھولوں کے عارضوں پر باغ میں اِک نمی ہے — شبنم کے موتیوں کی سبزہ پہ شبنمی ہے
خاموشیوں میں "سن سن" آواز آ رہی ہے — لیلائے شب پھریرا شاید اُڑا رہی ہے
وہ غل نہ اب جہاں میں وہ شور و شر رہا ہے — گویا تمام عالم کچھ غور کر رہا ہے

ہستی کا ذرّہ ذرّہ بےحس ہے سو رہا ہے
لیکن کنول جلائے اِک شخص رو رہا ہے

پیہم ٹپک رہی ہے اِک تشنگی نظر سے — دیدار کی تمنّا ظاہر ہے چشمِ تر سے
پلکیں سلگ رہی ہیں لوٹ رہے ہیں آنسو — سوزِ دل و جگر سے دوزخ ہیں دونوں پہلو
جذباتِ بیخودی کی ندی اُبل رہی ہے — تخئیل کی سنہری قندیل جل رہی ہے
آنکھیں تباہ ہی ہیں صدمے پڑے ہوئے ہیں — ناکام زندگی کے حلقے پڑے ہوئے ہیں

گہرا سکوتِ شب کا آہوں میں بہ رہا ہے
تاروں سے بیکسی میں اس طرح کہہ رہا ہے

”اے خوشنما ستارو! شمعیں جلانے والو — گردوں پہ سادگی سے اُسے جگمگانے والو
آرائشِ جہاں کی خاطر سنورنے والو — ہاں صوتِ سحری پہ اے رقص کرنے والو
اِک بات میری مانو صدقے میں اس ضیا کے — جب گلشنوں میں جھونکے چلنے لگیں ہوا کے
جب آسماں پہ کچھ کچھ رنگین دھاریاں ہوں — جب بادلوں کے ٹکڑے زرتار و زرفشاں ہوں
لپٹے ہوئے تڑپ میں دیوار و در کھڑے ہوں — ہلکی سی چاندنی کے ہیرے جڑے ہوئے ہوں
کچھ نور کچھ سیاہی جس وقت مل رہے ہوں — فردوس کی ہوا سے جب پھول کھل رہے ہوں
ہلکا سا اِک گلابی پرتو ہو جب فضا میں — سبزے پہ لہر دوڑے خنکی ہو جب ہوا میں

جس وقت ”صبحِ صادق“ مشرق سے جگمگائے
جیسے ہی آج تم میں ”حسنِ ازل“ سمائے!

کہنا کہ ایک بندہ مدت سے رو رہا ہے — رو رو کے بیکسی میں جان اپنی کھو رہا ہے
رونے کا چشمِ تر سے گویا معاہدہ ہے — معبود! یہ ہمارا عینی مشاہدہ ہے
ہم کانپتے ہیں کچھ یوں شب بھر کراہتا ہے — اور تجھ سے صرف اتنا اے دوست چاہتا ہے
جب صبح کا ستارہ ذرّوں کو جگمگا دے — تو اِک ذرا نکل کر پردے سے مسکرا دے!!“

پانچ نغمے

(۱)

صبح کے پرتو میں ہے جلوہ ترا　　رات کو تاروں میں ہے تیری ضیا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا
قابلِ عبرت ہے دنیا کا مقام　　تخت اگر ہے آج تو کل بوریا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا
دیدنی ہے مقبروں کی خوابگاہ　　ایک ہی بستر پہ ہیں شاہ و گدا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا
غنچۂ شاداب صحنِ باغ میں　　مسکراتے ہی پریشاں ہو گیا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا
بیٹھتے دیکھے حباب آسا جہاز　　ڈوبتے دیکھے سفینے بارہا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا
زندگی نے سیکڑوں ساماں کئے　　موت نے آ کر پریشاں کر دیا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

ذرّہ ذرّہ سے عیاں ہے انقلاب لمحہ لمحہ پہ بدلتی ہے ہوا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

دب گئے کیا کیا خزانے خاک میں چل بسے کیا کیا عزیز و آشنا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

اُٹھ گئے ایک ایک کر کے دہر سے کیسے کیسے دوستانِ با صفا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

چاند کے ٹکڑے جنہیں کہتے تھے لوگ خاک کے پیوند ہیں وہ مہ لقا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

جاگنا سیکھا تھا جن سے صبح نے سو رہے ہیں قبر میں وہ دلربا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

اُن کو رکھا ہے اندھیری قبر میں جن سے وابستہ تھا جینے کا مزا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

صُبح کو تھا نغمہ ساز و سرود شام کو ہے گریہ آہ و بُکا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

خود بخود اُٹھتی ہے دل میں ہوک سی صبح کو چلتی ہے جب ٹھنڈی ہوا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

اس طلسم حیرت و نیرنگ کی جانتا ہوں ابتدا و انتہا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

واہ کیا ساماں ہیں میرے واسطے خشک سالی، جنگ، محکومی، وبا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

مٹتے دیکھیں آرزوئیں بے شمار ٹوٹتے دیکھے ارادے بارہا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

جل اُٹھی شمعِ تمنائے یزید گُل ہوا فانوسِ بزمِ کربلا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

"اب بھی چونک اے جوش گہری نیند سے" شب کے سناٹے میں آتی ہے صدا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

(۲)

نہ اہلِ خرد کی ملامت سے ڈرنا نہ اہلِ جہاں کی شرارت سے ڈرنا
نہ دنیا کی فانی حکومت سے ڈرنا نہ طاقت نہ قوت نہ حشمت سے ڈرنا

جو ڈرنا تو داغِ محبت سے ڈرنا

بلاؤں سے ڈرنا نہ آفت سے ڈرنا — نہ غم سے نہ دردِ مصیبت سے ڈرنا
نہ تکلیف سے اور محنت سے ڈرنا — نہ دوزخ نہ شورِ قیامت سے ڈرنا
جو ڈرنا تو داغِ محبت سے ڈرنا

نہ بیرحم اربابِ ثروت سے ڈرنا — نہ بیدردِ اہلِ قرابت سے ڈرنا
نہ ذکرِ تباہی و وحشت سے ڈرنا — نہ فکرِ خرابیِ صحت سے ڈرنا
جو ڈرنا تو داغِ محبت سے ڈرنا

(۳)

مرے قلب کو زندگی دو جلاؤ — حقیقت کی محفل سے پردہ اُٹھاؤ
میں قطرہ ہوں مجھ کو سمندر بناؤ — کچھ اس طرح تا دیر نغمے سناؤ
یونہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

مہکتے ہوئے پھول کے پاس آؤ — لچکتی ہوئی شاخ پر بیٹھ جاؤ
ہوا میں کبھی اُڑ کے بازو ہلاؤ — کبھی صاف چشمہ میں غوطہ لگاؤ
یونہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

پھدک کر اِدھر سے اُدھر اُڑ جاؤ — چہک کر اُدھر سے اِدھر پھر آؤ

چمک کر کبھی شاخ پر چہچہاؤ اُچھل کر کبھی نہر پر گنگناؤ

یونہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

کبھی برگِ تازہ کو منہ میں دباؤ کبھی کُنج میں بیٹھکر پھڑپھڑاؤ

کبھی گھاس پر لوٹکر دل لبھاؤ کبھی جا کے بیلوں کو جھولا بناؤ

یونہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

نہیں جاگتی روح میری جگاؤ میں غفلت میں ہوں دلپہ چرکے لگاؤ

کوئی سرمدی ساز کی گت بجاؤ مجھے اپنے نغموں کے معنی بتاؤ

یونہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

میں بیتاب ہوں مجھ کو جلوہ دکھاؤ میں گمراہ ہوں مجھ کو رستہ بتاؤ

نہ جھجکو نہ سمٹو نہ کچھ خوف کھاؤ مرے پاس آؤ مرے پاس آؤ

یونہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

(۴)

بلاؤں سے نہ دنیا کی کسی مشکل سے ڈرتے ہیں نہ موجِ خوں نہ جورِ خنجرِ قاتل سے ڈرتے ہیں

ہم اِن رنگیں بخوں پر مرنے والے دل سے ڈرتے ہیں

سمجھتے ہیں نہ سحر سامری ہی کی حقیقت کچھ نہ زورِ جذبِ کشفِ مرشدِ کامل سے ڈرتے ہیں

ہم اہلِ رنگیں سخن پر مرنے والے دل سے ڈرتے ہیں

بہت ہیں جو لرز جاتے ہیں طوفاں کے تصوّر سے بہت ہیں جو خیالِ دوریِ ساحل سے ڈرتے ہیں

ہم اہلِ رنگیں سخن پر مرنے والے دل سے ڈرتے ہیں

(۵)

حیران ہوں نہایت آخر یہ خبط کیا ہے؟ کس دوستِ گمشدہ کو جنگل میں ڈھونڈتا ہے؟

کس نیند میں ہے بندے! ہر سانس میں خدا ہے

تجھکو طلب ہے جسکی دونوں ہیں اس سے خالی دروازہ کھول دل کا دیر و حرم میں کیا ہے

کس نیند میں ہے بندے! ہر سانس میں خدا ہے

کرتا ہے جبہ سائی کیوں مقبروں میں غافل تو دل کی زندگی کو مُردوں سے مانگتا ہے

کس نیند میں ہے بندے! ہر سانس میں خدا ہے

دل ہے تو سب کہیں ہے، ورنہ کہیں نہیں ہے کیا خوب قول تیرا اے جوشِ بے نوا ہے

کس نیند میں ہے بندے! ہر سانس میں خدا ہے

ہماری سیر

لوگ ہنستے ہیں، چھپاتے ہیں شام کو سیر سے جب آتے ہیں
لیمپ کی روشنی میں یاروں کو داستانیں نئی سناتے ہیں

ہم پلٹتے ہیں جب گلستاں سے آہ بھرتے ہیں، تھرتھراتے ہیں
میز پر سر سے پھینک کر ٹوپی ایک کرسی پہ لیٹ جاتے ہیں

آپ سمجھے یہ ماجرا کیا ہے؟ سُنیے ہم آپ کو سناتے ہیں
وہ لگاتے ہیں صرف چکر ہی ہم مناظر سے دل لگاتے ہیں
وہ نظر ڈالتے ہیں لہر و لب پہ اور ہم تہ میں ڈوب جاتے ہیں
گھر پلٹتے ہیں وہ "ہوا" کھا کر
اور ہم "زخم" کھا کے آتے ہیں

فلسفۂ مسرّت

نہ ہنس یوں مجھ پر اے منعم کہ یہ بے یار و ناصر ہے
خوشی اس کو کہاں حاصل کہ دنیا اس سے نافر ہے

سن اے ناداں یہی باتیں کہ ہر فقرہ جواہر ہے
سبق باطن سے لے کے کشتۂ اسباب ظاہر ہے

جو زہ میں ڈوب جاتا ہے وہی آخر ابھرتا ہے
تجھے معنی سے کیا مطلب کہ تو صورت پہ مرتا ہے

یہ مانا میں گدا محظوظ تو انعامِ دنیا سے
تری محفل گلستاں کام مجھ کو کوہ و صحرا سے

موافق ہے مزاجِ دہر تیری ہر تمنّا سے
مجھے اک بوند بھی ممکن نہیں ثروت کے دریا سے

بظاہر تو بہت بشاش ہیں غمگین و مضطر ہوں
مگر با ایں ہمہ دیکھا تو میں ہی تجھ سے بہتر ہوں

خوشی کی جستجو ہے تجھکو ساز و برگِ ثروت میں
خوشی کو تو سمجھتا ہے کہ پوشیدہ ہے دولت میں

خوشی کا جوش ہوتا ہے ترے نزدیک راحت میں
مہوّس! جوہرِ عرفاں نہیں ہے تیری طبیعت میں

رخِ مہرِ درخشاں میں نہ مہ میں مسکراتی ہے
خوشی بہتے ہوئے اشکوں کی تہ میں مسکراتی ہے

یہ راتیں کامرانی کی یہ جلسے عیش و عشرت کے
نگاہِ اہلِ دل کیواسطے ساماں ہیں عبرت کے

حقیقی جن کو تو سمجھا ہے وہ معنی مسرت کے　　غلط ہیں کاش تو سمجھے کہ یہ رازِ فطرت کے

نہ ایوانوں میں شاہوں کے نہ زرداروں کی محفل میں
مسرت کا خزانہ ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل میں

سُن اے غافل کہ غم ہی میں خوشی کا راز پنہاں ہے　　شکستہ ساغرِ دل میں چھلکتی ہے مئے عرفاں
جسے گھبرا ہو صدموں سے وہی انساں ہے انساں　　درِ رحمت دلِ بیتاب ہے اور دیدۂ گریاں

تڑپ اے دل تڑپنے ہی سے باطن جگمگاتا ہے
ستارے کانپتے رہتے ہیں شعلہ تھرتھراتا ہے

جسے تو غم سمجھتا ہے خزانہ ہے مسرت کا　　جسے تو چشمِ تر کہتا ہے سرچشمہ ہے رحمت کا
ہر آہ سرد جھونکا ہے نسیمِ باغِ راحت کا　　ہر آنسو آئینہ ہے اصل میں تصویرِ جنت کا

یہ نوحے سوئیں گے اک روز آغوشِ ترنم میں
یہ آنسو جذب ہو جائینگے حوروں کے تبسم میں

بنا اپنے دلِ بیتاب کو اک سوز کی دنیا　　مثالِ جوش آنکھوں سے بہا اشکوں کا اک دریا
مصائب میں خوشی کو ڈھونڈھ اگر ہے عاقل و دانا　　ڈبو دے دل کو غم کے بحر میں اور اس قدر گہرا

کہ جب ہونٹوں پہ آئے کھینچ کے دم مشکلکشائی کو
حیاتِ دائمی کی لہر دوڑے پیشوائی کو!!

بنامِ قوت وحیات

ترانۂ بیگانگی

مجھ کو ایذا دے کسی ہستی میں یہ قوت نہیں — دوست یا دشمن کوئی ہو اس قدر طاقت نہیں
جز خدا اب آدمی کی جوش پہ قدرت نہیں — کیونکہ مجھ کو اہلِ دنیا سے کوئی حاجت نہیں

دوسرے عالم میں ہوں "دنیا" سے میری جنگ ہے
"تاجِ شاہی" سے "قدم" بھی مس کروں تو ننگ ہے

زہر لگتی ہے زمانہ کی مجھے آب و ہوا — ظاہری اسباب کو چھوڑے زمانہ ہو گیا
مال و دولت اقربا احباب یار و آشنا — چوٹ کھائی جب سے دل پر میں نے یہ سب تج دیا

شمع وہ پردہ میں ہے جس شمع کا پروانہ ہوں
انتہا یہ ہے کہ اپنے سے بھی میں بیگانہ ہوں

مُحسُوسات

محسوسات

تاریک رات اپنی سیاہی میں جس طرح — ہے التجائے نور کو پنہاں کئے ہوئے
یونہیں ترے خیال میں بیٹھا ہوا ہوں میں — آنکھوں کو بند، دل کو فروزاں کئے ہوئے

"پپیہا" جب تڑپتا ہے گھٹا میں "پی کہاں" کہکر — ہماری روح سوزِ عشق سے اِس طرح جلتی ہے
تلاشِ تربتِ عاشق میں کوئی نازنیں جیسے — بلا کی دھوپ میں پتھر پہ ننگے پاؤں چلتی ہے

بھری برسات میں جس طور سے بجلی چمکتی ہی — یکایک رات کی گہری سیاہی کانپ جاتی ہے
یونہیں خاموش اور ٹھہرے ہوئے سینے کی خلوت میں — تڑپ جاتا ہے دل جس وقت تیری یاد آتی ہے

اندھیرا کرنے والے دن کو ساون کے سیہ بادل — سمندر کی طرح بھر دیتے ہیں جس طرح پانی سے
یونہیں دوشیزگی کے جوش سے اے فتنۂ محشر
تری آنکھیں چھلکتی ہیں شرابِ ارغوانی سے!

زندگی کہتی ہے "غافل! میں فنا کا باب ہوں   چھیڑتے ہیں سازِ غم جس سے وہ مضراب ہوں!
عافیت سے دور رکھتی ہوں، اذیت سے قریب   منتشر بادل کا سایہ ہوں، پریشاں خواب ہوں"

باتوں میں عقل و فہم کا آتا نہیں ہے نام   تقریر میں دلیل سے رہتا نہیں ہے کام
سب سے زیادہ تھکتا ہے اُس وقت "عقلمند"   جس وقت بیوقوف سے ہوتا ہے ہم کلام

ڈر دُنیا سے بے شرمی پہ مجبور کرتی ہے   خرد کے آئینہ کو دوست بنکر چور کرتی ہے
امیدوں کو بنا کرتی ہے کہنہ جسمِ اِنساں کو   فنا کے پاس لاتی ہے، خدا سے دور کرتی ہے

دل کا ایمان کے خورشید سے مشرق ہونا   قوّتِ عقل کا فطرت کے موافق ہونا
"دانشگوئی" کی ہے دراصل یہ جامع تعریف   نطق کا وضعِ الٰہی کے مطابق ہونا

اِک وبا ہے عالمِ اخلاق میں اُس کا وجود   تجھ میں اِک ذرّہ بھی غیرت ہو تو اُس ظالم سے ڈر
اُس کمینے سے حذر کر، بھاگ اُس منحوس سے
خرچ کر ڈالے جو "عزّت" اور بچا لے "مال و زر"

زندگی کیا لذّتِ عصیاں کی، ناداں غور کر — برق رُو دھارے پہ اک تنکا ہے جو بہ جائے گا
دیکھتے ہی دیکھتے لذّت فنا ہو جائے گی — اور عذاب اُس کا ہمیشہ کیلئے رہ جائے گا

کوئی تجھ سا ذلیل و خوار نہیں — کوئی تیرا رفیق و یار نہیں
بدگماں تجھ کو سارے عالم میں — ایک پر بھی تو اعتبار نہیں

بیزار ہے ایمان و وفا سے حاسد — نافر ہے رہ و رسم صفا سے حاسد
بندوں ہی سے کچھ اسکو نہیں ہے نفرت — ناراض ہے تقدیرِ خدا سے حاسد

دنیا میں کسی پر نہ تعدّی کرنا — دِل جس سے دُکھے بات نہ ایسی کرنا
اِک روز خدا کو مُنہ دکھانا ہے ضرور — بندے سے کبھی بن پڑے تو نیکی کرنا

دیکھا دُنیا کے کارخانے کو — مکر کو، زور کو، بہانے کو
ہم زمانے کو کیا کہیں ابتر
ہم ہی بدتر ہے زمانے کو

مجھ کو دیکھا ہے مصیبت میں تو اب آتے نہیں
اپنے وعدوں سے ستم ایجاد شرماتے نہیں
جنکے وعدے تھے "بہا دینگے پسینے پر لہو"
خون پہ میرے پسینہ بھی وہ ٹپکاتے نہیں

ہم کہیں گے کبھی نہ اُس کو غریب
جس کو ملتی ہو اِک حقیر رقم
اصل میں وہ غریب ہے جس کا
"خرچ" زائد ہو اور "آمد" کم

وصل اور ہجر میں نہیں کوئی فرق
"ہجر" کیا شے ہے؟ اِک "عذابِ شدید"
اور تو وصل پہ جو مرتا ہے
"وصل" بھی ہے "فراق کی تمہید"

نزع

آتی ہیں ٹھہر ٹھہر کے سانسیں
اب موت سے لو لگا رہا ہوں
منزل ہے قریب خوف غالب
رُک رُک کے قدم اٹھا رہا ہوں

بے وجہ نہیں ہے پھڑکنا دل کا
یوں آگ کے مانند بھڑکنا دل کا
ہاں زیست کا قفل توڑ دینے کے لئے
"ضرباتِ مسلسل ہیں" دھڑکنا دل کا

انداز دلنشیں سے بصد عشوۂ و ادا لیلیٰ کی طرح پردۂ محمل میں بیٹھ جائیے
بہتر نشانہ باز وہی ہے جو سوچ کر ایسی درست بات کہے دل میں بیٹھ جائے

دشوار ہے اس بزم میں جینا میرا گرداب میں آیا ہے سفینا میرا
کچھ آج وہ کثرت ہے حسینوں کی یہاں ہے چوبِ قصاب پہ سینا میرا

رات کی خامشی میں تیرا خیال دافعِ غم ہے، وجہِ تسکیں ہے
برق سے بھی ہے بڑھ کے کچھ شفاف خواب سے بھی زیادہ شیریں ہے

غور کر نیند کی فراغت سے موت کتنی بلند پایہ ہے
”زندگی“ کیا ہے؟ دھوپ آتش ریز ”سانس“ کیا ہے؟ دھوئیں کا سایہ ہے!

خامکاروں کو حسنِ زیبا کا ایک عشوہ میں پھانس لیتا ہے
کیا کہوں کس طرح جوانی میں
دل امنگوں کی سانس لیتا ہے!

رعشۂ پیری

نگہ بے نور ہو کر رات کا منظر دکھاتی ہے
تنفّس آہ بھرتا ہے قضا لوری سناتی ہے

ضعیفی کا یہ رعشہ جس سے جنبش میں ہیں سب اعضا
یہ ہے دراصل کیا؟ کچھ عقل میں یہ بات آتی ہے

یہ ہے اِک "پالنا" ڈوری ہلاتی ہیں رگیں جس کی
یہ اِک "جھولا" ہے جس میں زندگی کو نیند آتی ہے

عبادت

عبادت کرتے ہیں جو لوگ جنّت کی تمنّا میں
عبادت تو نہیں ہے، اِک طرح کی وہ "تجارت" ہے

جو ڈر کر نارِ دوزخ سے خدا کا نام لیتے ہیں
عبادت کیا وہ خالی بزدلانہ ایک خدمت ہے

مگر جب شکرِ نعمت میں جبیں جھکتی ہے بندے کی
وہ "سچی بندگی" ہے اِک شریفانہ اطاعت ہے

حقیقتِ خال

ازل کے روز تری شکل جب بنائی تھی
بنانے والے کو اتنی پسند آئی تھی

کہ دیر تک تجھے دیکھا کیا تھا حیرت سے
نظر جمائی تھی رخسار پر محبت سے

نظر نے اپنا کیا کام ایک مرکز پر
سیہ نشان بنایا نگاہ نے جسم کہ

خبر بھی ہے تجھے ؟ یہ سوزشِ نہاں ہے وہی
سمجھ رہا ہے جسے "خال" یہ نشاں ہے وہی

حُسنِ مجازی

ذریعہ ہے دماغوں کیلئے نازک خیالی کا
مجازی حُسن اک باریک سا پردہ ہے جالی کا

نظر کو طالبِ دیدار کی جو صاف کرتا ہے
اور اتنا چھانتا ہے اسقدر شفاف کرتا ہے

کہ آجاتا ہے اتنا نور انسان کی بصارت میں
نگہ لرزش نہیں کرتی ہے پھر بزمِ حقیقت میں

نہ دل میں خوف رہتا ہے نہ آنکھیں ہی جھپکتی ہیں
بہ آسانی نگاہیں روئے جاناں دیکھ سکتی ہیں

جہاں تک ہو سکے حُسنِ مجازی پر نظر ڈالو
اور اُس کے نور سے اپنی نگاہیں صاف کر ڈالو

غزلیات

بسم الله

درس — پنجم

مولانا محمد پارسا معصومی

نالۂ سحر

پچھلا پہر ہے غرقِ راز و نیاز ہو جا	بیتاب ہیں نگاہیں سرگرمِ ناز ہو جا!
دل بجھ رہا ہے اب تو غلوتکدے میں در آ	آرائشِ حریمِ سوز و گداز ہو جا!
رگ رگ میں سوز دوڑا، سینے کو مشتعل کر	طوفانِ دلبری بن، طغیانِ ناز ہو جا!
اشکوں میں رہنے والے آنکھوں کے سامنے آ	اے رازِ دل، سراپا افشائے راز ہو جا!
یوں مسکرا کہ گم ہو "صبحِ ازل کا جلوہ"	اے حسنِ بے نیازی، خورشیدِ ناز ہو جا!
کیفِ شگفتگی دے افسردہ خاطری کو	ہو جا ذرہ اِدھر بھی، اُو عشوہ ساز ہو جا!
مخمور کر فضا کو، بے حسن مجھے بنا دے	اے سرمدی ترانے، طاقت گداز ہو جا!
مشعل کی آرزو ہے تاریک خانماں میں	باطن کی انجمن میں لے برق ناز ہو جا!
مدت سے مضطرب ہے میری نیازمندی	پابندِ آشنائی او بے نیاز ہو جا!

اے جوشؔ کھول آنکھیں وہ کوئی آ رہا ہے

ذرّوں پہ سر جھکا دے غرقِ گداز ہو جا!

تجھے اِس سے زیادہ کوئی سمجھا ہی نہیں سکتا	"خدا وہ ہے جو حدِ عقل میں آ ہی نہیں سکتا"
مرا دل عزتِ فانی پہ اترا ہی نہیں سکتا	تمہیں دیکھیں سے آ دنیا کبھی آ ہی نہیں سکتا

رموزِ معرفت کو "معنی بے لفظ" کہتے ہیں — یہ وہ باتیں ہیں جن کو ناطقہ پا ہی نہیں سکتا
اُنہیں اپنی تمنا "شرحِ سُن لو سوزِ باطن کی — مجھے اسکی پشیمانی کہ "سمجھا ہی نہیں سکتا"
جو ہر جنبش کے پیچھے اِک سکوں محسوس کرتا ہو — کبھی وہ اضطرابِ دل سے گھبرا ہی نہیں سکتا
جسے حس ہو گیا "یہ عقل اِک طوقِ غلامی ہے" — قیامت تک کبھی وہ ہوش میں آ ہی نہیں سکتا

عقائد نے مرے دی اس کو آزادی جفاؤں کی
سمجھ رکھا ہے اُس نے زہر پہ کھا ہی نہیں سکتا

گدازِ دل سے باطن کا تجلی زار ہو جانا — محبت اصل میں ہے روح کا بیدار ہو جانا
نویدِ عشق سے اے دل ذرا ہشیار ہو جانا — کسی تازہ مصیبت کے لئے تیار ہو جانا
وہ اُنکے دل میں شوقِ خودنمائی کا خیال آنا — وہ ہر شے کا تبسم کے لئے تیار ہو جانا
مزاجِ حسن کو اب بھی نہ سمجھو تو قیامت ہے — ہمارا اور وفا کے نام سے بیزار ہو جانا
سحر کا اُس طرح انگڑائی لینا دلفریبی سے — اِدھر شاعر کے محسوسات کا بیدار ہو جانا
توسّل سے ترے دل میں بھرونگا قوتیں رتی — ذرا میری طرف بھی اے نگاہِ یار ہو جانا
وہ آرائش میں سب قوت کسی کا صرف کر دینا — تحمل میں وہ ہر کوشش مری بیکار ہو جانا
معاذ اللہ اب یہ رنگ ہے دنیا کی محفل کا — خدا کا نام لینا اور ذلیل و خوار ہو جانا
رگوں سے خون سارا زہر بنکر پھوٹ نکلے گا — ذرا اے جوشِ ضبطِ شوق سے ہشیار ہو جانا

جب قضا نے قدس میں پرچم اڑا تقدیر کا — عقل سجدے میں گری سر جھک گیا تدبیر کا

وجد کے قابل تھا راہِ سعی میں میرا ثبات — دل نہ دھڑکا، گو قدم کانپا کیا تدبیر کا

کہتے ہیں جس کو "مسرت" اک خیالی چیز ہے — سونگھتا ہے کیا اسے یہ پھول ہے تصویر کا

طے کئے بیٹھا ہوں کب سے شرمساری کی حدیں — مرتبہ پوچھے کوئی مجھ سے مری تقصیر کا

وائے قسمت دل بھر آیا ہونٹ تھرانے لگے — ہو چلا تھا کچھ اثر ان پر مری تقریر کا

کچھ سمجھ کر میں جھکا اپنی پرستش کے لئے — جاہلوں نے مجھ پہ فتویٰ دے دیا تکفیر کا

ہوتی جاتی ہیں ادھر بے نور آنکھیں نزع میں — اٹھتا جاتا ہے ادھر پردہ تری تصویر کا

دیدۂ گریاں میں غلطاں ہے ترا عکسِ جمال — میرا آنسو ہے کہ "شیشہ" ہے تری تصویر کا

اہلِ عالم کو مبارک جوشؔ فانی عزّ و جاہ
فخر کافی ہے مجھے ہم نامیِ شبیرؑ کا

ہم نے نکالیں سیکڑوں راہیں کچھ بھی سکونِ غم نہ ہوا
جان کو کچھ آرام نہ پہونچا، دل کا دھڑکنا کم نہ ہوا
کیا نزع کی تکلیفوں میں مزا جب موت نہ آئے جوانی میں
کیا لطف جنازہ اٹھنے کا ہر گام پہ جب ماتم نہ ہوا
اشکوں کے نکلنے میں ہے تسلّی دل کے تڑپنے میں ہے مزا

واللہ کہ وہ انسان نہیں، اس راز سے جو محرم نہ ہوا
جب سے نگاہیں تم سے لڑائیں، عیش گیا آرام گیا

کس صبح کو آہ سرد نہ کھینچی، کونسی شب ماتم نہ ہوا
راحت کا جہاں میں نام نہیں، ایذا کے سوا آرام نہیں

جس روز سے دل نے یہ سمجھا، اُس روز سے کوئی غم نہ ہوا
گھر بھر میں کسی کا پرتو تھا، قندیلِ تصوّر روشن تھی

کیا وجد کے قابل تھا یہ سماں کل رات کو تو ہمدم نہ ہوا

- ساری دُنیا ہے ایک پردۂ راز — اُف رے تیرے حجاب کے انداز
موت کو اہلِ دل سمجھتے ہیں — زندگانیٔ عشق کا آغاز
مر کے پایا شہید کا رتبہ — میری اس زندگی کی عمر دراز
- کوئی آیا تری جھلک دیکھی — کوئی بولا سُنی تری آواز
ہم سے کیا پوچھتے ہو ہم کیا ہیں؟ — "اِک بیاباں میں گم شدہ آواز"
تیرے انوار سے لبالب ہے — دِل کا سب سے عمیق گوشۂ راز

آ رہی ہے صدائے ہاتفِ غیب
جوشؔ ہمتائے حافظِ شیراز

پہونچکر عالمِ وحدت میں دل سے کام لیتے ہیں
جب آدھی رات آجاتی ہے اُن کا نام لیتے ہیں

برس جاتے ہیں موتی برق سی اک کوند جاتی ہے
کچھ اس انداز سے وہ مسکرا کر جام لیتے ہیں

کوئی اِس کوششِ اخفائے رازِ عشق کی حد بھی
کہ خلوت میں بھی آہستہ کسی کا نام لیتے ہیں

یہ سن کر ہم نے میخانہ میں اپنا نام لکھوایا
جو کوئی لڑکھڑاتا ہے اُسے وہ بازو تھام لیتے ہیں

سحر تک چاند میرے سامنے رکھتا ہے عکس اُن کا
ستارے شب کو میرے ساتھ اُن کا نام لیتے ہیں

نہیں معلوم کیا کھوئی ہوئی شے یاد آتی ہے
ہوا جب سرد چلتی ہے کلیجہ تھام لیتے ہیں

قریبِ رہگزر تربت کا ہونا بھی قیامت ہے
اِدھر سے جو گزرتے ہیں تمہارا نام لیتے ہیں

بے سبب میں طلبِ دست پہ مغرور نہیں
دل میں کیا گھاؤ نہیں؟ آنکھ میں ناسور نہیں

رسمِ اُلفت کا اب اس عہد میں دستور نہیں
تم یہ کہتے ہو تو جینا ہمیں منظور نہیں

جبکہ ہجرت سے بھی پیشۂ آبا ہے تو ہم
صاحبِ سیف و قلم ہوں تو کوئی دور نہیں

حسرتِ وصل ہے اور داغ نہیں سینے میں!
خواہشِ دید ہے اور آنکھ میں ناسور نہیں

کاروبار اپنی محبت کا وہاں ہے کہ جہاں
قیمتِ جنسِ ہنر و مایہ منصور نہیں

اب کھلا رازِ درِ دوست پہ سجدہ کر کے
"آسمانوں کی بلندی تو کوئی دور نہیں!"

داغِ ہستی کو بہر طور مٹا ہی دیں گے
اپنے دامن پہ یہ دھبہ ہمیں منظور نہیں

جھلملاتے ہوئے تاروں میں سنتا ہوں صدا ۔۔۔ رونے والے ہیں ترے پاس ہی کچھ دور نہیں
مسکراتے ہوئے آتے ہیں وہ میت پہ میری ۔۔۔ روح قالب میں پلٹ آئے تو کچھ دور نہیں
دعوئ عشق کجا، شورِ انا الحق کیسا! ۔۔۔ سانس لینا بھی تری بزم میں دستور نہیں
آپ ہی کچھ نہیں بیزار مرے جینے سے ۔۔۔ میں بھی اس زندگیِ تلخ سے مسرور نہیں
دیر سے دیکھ رہے ہیں وہ ادائیں اپنی ۔۔۔ آئینہ ہاتھ سے چھوٹ جائے تو کچھ دور نہیں
اہلِ عرفاں میں عجب چیز ہے ٹوٹا ہوا دل ۔۔۔ کتنا بے قدر یہ شیشہ ہے اگر چور نہیں
اس طرف لے کے چلی حسرتِ دیدار مجھے ۔۔۔ کہ جہاں آنکھ اٹھانے کا بھی دستور نہیں
دیکھ لو بندِ کفن کھول کے تم ایک نظر ۔۔۔ اب تشر یاد کہ آنکھوں میں مری نور نہیں

ہو چلی نزع میں اے جوش لبوں کو جنبش
دونوں عالم میں تلاطم ہو تو کچھ دور نہیں

عمارت پر نہ جا کچھ بھی نہیں شاہوں کی محفل میں
محبت کا خزانہ ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل میں

جب آنکھیں بند کرتا ہوں جھلکتا ہے مرے دل میں
وہ پرتو جو سماتا ہی نہیں ہے چشمِ باطل میں
کبھی جن کا تبسم روح کو بیدار کرتا تھا

وہی اب سو رہے ہیں قبر کی تاریک منزل میں

جب آدھی رات پردہ ڈال دیتی ہے زمانے پر

کوئی دربار کرتا ہے مرے کاشانۂ دل میں

کلی مرجھائی، ٹپکیں شاخِ گل سے خون کی بوندیں

ہوائے گرم یہ کیا کہہ گئی پھولوں کی محفل میں

بہ صورتِ سرمدی ہے جس پہ تارے رقص کرتے ہیں

یہ حسنِ دوست ہے جس کی تڑپ ہے ماہِ کامل میں

نظر نے پا لیا ہے انتہائے عیشِ فانی کو

خوشی کے نام سے اب درد اٹھتا ہے مرے دل میں

مری راتیں، مری تخئیل، دونوں تجھ سے روشن ہیں

اتر آ چودھویں کے چاند! رکھ لوں میں تجھے دل میں

مزاجِ خاکساری میں نزاکت ہے قیامت کی

نہ لے جاؤ مجھے مغرور انسانوں کی محفل میں

صدا دی جب درِ دل پر یہ دُنیا نے کہ "حاضر ہوں"

ندا آئی "پلٹ جا، تیری گنجائش نہیں دل میں"

زمانہ ہی بُرا ہے، دُور کیوں جاؤ، ہمیں دیکھو!

جواں ہیں اور کوئی ولولہ باقی نہیں دل میں

سبق لیتا ہے اکثر معرفت کا فلسفہ ہم سے

کہ ہم ڈوبے ہوئے ہیں جوشؔ روحانی مسائل میں

اتنا لبریزِ وفا روح کا پیمانہ ہے — اب تو ہر سانس مری آپکا افسانہ ہے

ختم ہے عمر، نہ ساقی ہے نہ میخانہ ہے — زندگی اب تو چھلکتا ہوا پیمانہ ہے

پنکھڑی کوئی بھی شبنم سے نہیں ہے خالی — ساقیِ صبح کا ہر پھول میں میخانہ ہے

عقل مدہوش ہے اور روح دکھاتی ہے چراغ — بے خطر راہِ طلب میں ترا دیوانہ ہے

اے خدا دیکھ کہ اب یہ ہے زمانہ کی روش — جو ترے نام پہ مرتا ہے وہ دیوانہ ہے

شومیِ بخت سے گو جوشؔ وہ اسباب نہیں

پھر بھی خوش ہوں کہ طبیعت تو فقیرانہ ہے

یقیں ہے دوستو! مجھ کو مرے وقتِ طلب دل سے — کہ یہ آسانیاں پیدا کریگا سخت مشکل سے

کبھی سن لے ارے او سازِ عشرت چھیڑنے والے — عجب آواز آتی ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل سے

مجھی جاتی ہیں شمعیں دل بلے جاتے ہیں سینوں میں — بتا دینا کہ یہ اٹھ کر چلا ہے کون محفل سے

جبیں پر سادگی نیچی نگاہیں بات میں نرمی — مخاطب کون کر سکتا ہے تم کو لفظِ قاتل سے

لہ یہاں "میرے" کی جگہ "اپنے" صحیح ہے۔ لیکن آپ نے یونہی رہنے دیا کہ قدیم یادگار رہے۔ (مصنف)

نہیں ہے آہ میں تاثیر خیر اچھا نکلوا دو!　　بتا دیتا میں ورنہ اس طرح اُٹھتے ہیں محفل سے
وہ اک ہم ہیں جسے کٹ کر وہاں موجوں نے گھیرا ہے　　وہ اک تم ہو کہ ہنستے ہو تماشاگاہِ ساحل سے
ارے او پوچھنے والے سبب میرے نہ ہنسنے کا!　　مجھے رونا بھی اب تو ہوتی آتا ہے مشکل سے
زمانے میں جب آدھی رات کا ہوتا ہے سناٹا　　برابر آپ کی آواز آتی ہے مرے دل سے

سمجھ کر رمز وہ لے جوش پھر آو نکا ہنس دینا
مرا وہ مطمئن بن کر نکلنا کوئے قاتل سے

دل بجھ گیا ہے سینہ خالی سا ہو گیا ہے　　بیٹھا ہوا ہوں حیراں کچھ جیسے کھو گیا ہے
کس نے یہ نصف شب میں چھیڑا رباب اپنا　　ہستی کا ذرہ ذرہ مدہوش ہو گیا ہے
بیمارِ شامِ غم کی اللہ ری ناامیدی　　ملتے ہی تم سے آنکھیں کچھ چپ سا ہو گیا ہے
کس زور میں رواں ہے دریائے غم کا دھارا　　آیا ہے جو وہ اپنی کشتی ڈبو گیا ہے
آتا ہے مجھ کو کیا کیا بے اختیار رونا　　جب کوئی پوچھتا ہے کیا تجھ کو ہو گیا ہے
آ نکلے ہو تو تم بھی کچھ دل کا حال سن لو　　گذرا ہے جو ادھر سے کچھ دیر رو گیا ہے
کل شب کو چاندنی میں پھر اس کی یاد آئی　　ہم جانتے تھے دل سے وہ محو ہو گیا ہے

چہرے پہ مردنی سی چھائی ہوئی ہے گویا
دو دن میں جوش تیرا کیا حال ہو گیا ہے

میری حالت دیکھئے اور اُنکی صورت دیکھئے
پھر نگاہِ غور سے قانونِ قدرت دیکھئے

سیرِ مہتاب و کواکب سے تبسّم تا بکے!
رو رہی ہے وہ کسی کی شمعِ تربت دیکھئے!

آپ اِک جلوہ سراسر، میں سراپا اِک نظر
اپنی حاجت دیکھئے، میری ضرورت دیکھئے

اپنے سامانِ تعیّش سے اگر فرصت ملے
بیکسوں کا بھی کبھی طرزِ معیشت دیکھئے

مسکرا کر اس طرح آیا نہ کیجئے سامنے
کس قدر کمزور ہوں میں میری صورت دیکھئے

آپکو لایا ہوں ویرانوں میں عبرت کیلئے
حضرتِ دل دیکھئے، اپنی حقیقت دیکھئے

صرف تکنے کیلئے آنکھیں ہمیں بخشی گئیں
دیکھئے دنیا کے منظر، اور بہ عبرت دیکھئے

موت بھی آئی تو چہرے پر تبسّم ہی رہا؟
ضبط پر ہے کس قدر ہم کو بھی قدرت دیکھئے

یہ بھی کوئی بات ہے ہر وقت دولت کا خیال
"آدمی" ہیں آپ اگر تو آدمیت دیکھئے

پھوٹ نکلے گا جبیں سے ایک چشمہ حُسن کا
صبح اُٹھ کر خندۂ سامانِ قدرت دیکھئے

رشحۂ شبنم، بہارِ گل، فروغِ مہر و ماہ
واہ کیا اشعار ہیں، دیوانِ فطرت دیکھئے

اس سے بڑھ کر اور عبرت کا سبق ممکن نہیں
جو نشاطِ زندگی تھے اُنکی تربت دیکھئے

تھی خطا اُن کی، مگر جب آ گئے وہ سامنے
جُھک گئیں میری ہی آنکھیں، رسمِ اُلفت دیکھئے

خوشنما یا بدنما ہو، دہر کی ہر چیز میں
جوش کی تخئیل کہتی ہے کہ نُدرت دیکھئے

برق سی اِک گراتی جاتی ہے — یوں بھی صورت دکھائی جاتی ہے

لوگ مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں اُنہیں — لاش میری اٹھائی جاتی ہے

میری میّت پہ کیوں تری تصویر — دوستوں کو دکھائی جاتی ہے

کون آیا ہے لاش پر میری — منہ سے چادر ہٹائی جاتی ہے

تم نہ دیکھو! کہ میرے چہرے پر — اِک تمنّا سی پائی جاتی ہے

تیری باتوں میں آجکل پھر جوش
بُو محبّت کی پائی جاتی ہے

جب سے مرنے کی جی میں ٹھانی ہے — کس قدر ہم کو شادمانی ہے

شاعری کیوں نہ راس آئے مجھے — یہ مرا فنِ خاندانی ہے

کیوں لبِ التجا کو دوں جنبش — تم نہ مانو گے، نہ مانی ہے

رُوح کیا؟ آہ کی خفیف ہوا — خون کیا؟ آنسوؤں کا پانی ہے

آپ ہم کو سکھائیں رسمِ وفا — مہربانی ہے، مہربانی ہے

دل ملا ہے جنہیں ہمارا سا — تلخ اُن سب کی زندگانی ہے

کوئی صدمہ ضرور پہونچے گا
آج کچھ دل کو شادمانی ہے

دور اندیش مریضوں کی یہ عادت دیکھی
ہر طرف دیکھ لیا جب تری صورت دیکھی

آئے اور اک نگہِ خاص سے پھر دیکھ گئے
جبکہ آتے ہوئے بیمار میں طاقت دیکھی

قوتیں ضبط کی ہر چند سنبھالے تھیں مجھے
پھر بھی ڈرتے ہوئے میں نے تری صورت دیکھی

محفلِ حشر میں یہ کون ہے میرِ مجلس؟
یہ تو ہم نے کوئی دیکھی ہوئی صورت دیکھی

سب یہ کہتے ہیں اسے اب کوئی آزار نہیں
کیوں ستمگار! ارے ضبط کی قوت دیکھی؟

اُسکی صورت کو بہت غور سے دیکھا میں نے
سرسری طور سے جس نے تری صورت دیکھی

سونے والوں پہ نہ چمکا کبھی نورِ سحری
رونے والوں ہی کے چہروں پہ صباحت دیکھی

صفحۂ دل پہ جو مقصود تھا گہرا نقشہ
دیر تک شکل تمہاری دمِ رخصت دیکھی

اس قدر یاس بھی ہوتی ہے کہیں دنیا میں
رو دیئے ہم جو تری چشمِ عنایت دیکھی

مجھ کو تعلیم سے فرصت ہی کہاں اے شبیر
کہہ لیا شعر کوئی جب کبھی فرصت دیکھی

دلِ آزادہ رو میں وہ تمنا تھی بیاباں کی
قدم رکھتے ہی تنگ ہونے لگی دیوارِ زنداں کی

تری قوت پہ اے جوشِ نمو ادراک حیراں ہے
کہ ہر کانٹے میں تو نے روح دوڑا دی گلستاں کی

پشیماں ہو کے میرے بعد گھر سے اقربا نکلے
بنانے آئے تھے فہرست میرے ساز و ساماں کی

گھٹا میں برق کی چشمک ستاروں میں درخشانی
یہ تصویریں ہیں کچھ تیرے تبسم ہائے پنہاں کی

کبھی دنیا کے منظر کی طرف پھر ہی نہیں سکتیں
مری آنکھیں کہ ہیں پابند حسن روئے جاناں کی

خدا کی رحمتیں اے مطرب رنگیں تو انجھ پر
کہ ہر کانٹے میں تو نے روح دوڑا دی گلستاں کی

کلی نے ساز چھیڑا بلبلوں نے نغمہ شیریں
ترے آتے ہی گویا جاگ اٹھی دنیا گلستاں کی

زمیں سے آسماں تک ذرہ ذرہ رقص کرتا ہے
شعاعیں پڑ رہی ہیں آفتاب روئے جاناں کی

اسی انداز سے پھر کھول دیں زلفیں ستمگر نے
کسی کافر سے ہوگی اب حفاظت دین و ایماں کی

یہ ثابت کر دیا تجھ کو بنا کر دست قدرت نے
"کہ ہو سکتی ہیں اتنی خوبیاں صورت میں انساں کی"

مناسب ہو اگر تو ساز شادی روک کر دم بھر
ذرا روداد سن لیتے مرے حال پریشاں کی

نسیم صبح ٹھنڈی سانس بھرتی ہے مزاروں پر
اداسی منہ اندھیرے ڈھونڈھے گور غریباں کی

جھپک جاتی ہے انکی آنکھ لیکن میں نہیں سوتا
ستاروں سے حقیقت پوچھ میری چشم گریاں کی

یہ عالم کیا ہے؟ اک مجموعہ ہے ناچیز ذروں کا
یہ دنیا کیا ہے؟ اک ترکیب اجزائے پریشاں کی

شب مہتاب میں اے سونے والے بستر گل پر
پرستش کر رہا ہے چاند تیرے روئے تاباں کی

سحر کو سانس لی دریا نے دوڑی روح لہروں میں
نہانے آئی جب پہلی کرن مہر درخشاں کی

حیات عارضی کیا؟ اک لطیفہ اسکی قدرت کا
قضا کیا؟ روح پرور اک ادا اس آفت جاں کی

کنارے آبجو فصل بہاری کی ہواؤں میں
نہ پوچھ اے ہمنشیں للہ جو راحت ہائے پنہاں کی

ارے او حکم دینے والے مجھ کو در سے اٹھنے کا
جگہ مجھ کو نہ دے گی کیا زمیں گور غریباں کی

"ازل" پہلا تبسم اُس لبِ ایجادِ فطرت کا
"قیامت" چند سانسیں آخری ہستی کے ساماں کی

سُنا ہے اپنے چہرے سے کوئی زلفیں ہٹاتا ہے
سحر کے وقت دھیمی روشنی ہیں ماہِ تاباں کی

ہواؤں کے وہ جھونکے وہ کھلے میدان کی سری
وہ لہریں چاند سے رخسار پر زلفِ پریشاں کی

سرِ بالیں سحر ہوتے ہی غمخواروں کا مجمع ہے
خدا جانے بسر کس طرح میں نے شامِ ہجراں کی

ٹپک پڑتے ہیں جنکے اشک بادی کے تصور پہ
خبر ہو جائے کاش اُن کو مرے حالِ پریشاں کی

نہ لو انگڑائیاں اس طرح اُٹھ کر خوابِ نوشیں سے
کہیں کروٹ نہ لے دُنیا مرے جذباتِ پنہاں کی

ہماری زندگی کیا؟ سلسلہ اک دل دھڑکنے کا
ہماری موت کیا؟ جنبش ہے اِک جذباتِ پنہاں کی

بنا دیں گی یقیں ہے جوشؔ مردِ باخدا اِک دن
تپش اندوزیاں سینے میں برقِ سوزِ پنہاں کی

؎ اپنے میں جواب بھولے سے کبھی راحت کا تقاضا پاتا ہے
حالات پہ میرے کہہ کے نظر دل مجھ سے بہت شرماتا ہے
اُلجھن سی یکایک ہوتی ہے دم رُکتا ہے دل بھر آتا ہے
جب کوئی تسلّی دیتا ہے کچھ اور بھی جی گھبراتا ہے
کس سے گلہ اور کس سے مدد لوں ہائے مری محرومیِ دل
آغازِ محبت ہی میں زمانہ مجھ سے تمہیں چھڑواتا ہے

آرام سر کنے والا ہے، کس شے پہ یہ غرّہ ہے تجھ کو؟

دُنیا یہ بدلنے والی ہے؟ کس چیز پہ تو اترانا ہے

کس طرح یہ دل کا رنج مٹے؟ اللہ میں کیا تدبیر کروں؟

آنسو ہیں کہ اُبلے پڑتے ہیں، دل ہے کہ وہ بیٹھا جاتا ہے

اعلان سحر کو ہوتا ہے یُوں حُسن کی شاہنشاہی کا

گردوں پہ سنہرا اک پرچم مشرق کی طرف لہراتا ہے

مُشکل ہے کس اپنی فطرت سے انجام پہ یوں رہتی ہے نظر

جب سازِ مسرّت چھڑتے ہیں، بے ساختہ رونا آتا ہے

انداز و ادا سے اے دُنیا تو لاکھ سنور کر سامنے آ

یہ جوشِ فقیر آزاد منش کب دھیان میں تجھ کو لاتا ہے

تبسّم ہے وہ ہونٹوں پر جو دل کا کام کر جائے

اُنہیں اِس کی نہیں پروا کوئی مرتا ہے، مر جائے

دُعا ہے میری اے دل تجھ سے دُنیا کوچ کر جائے

اور ایسی کچھ بنے تجھ پر کہ ارمانوں سے ڈر جائے

جو موقع مل گیا تو خضر سے یہ بات پوچھیں گے

جسے ہو جستجو اپنی، وہ بے چارہ کدھر جائے

سحر کو سینۂ عالم میں پرتو ڈالنے والے

تصدق اپنے جلوہ کا، مرا باطن سنور جائے

پریشاں بال کرتے ہیں انہیں شوخی سے مطلب ہے

بکھرنا ہے اگر شیرازۂ عالم بکھر جائے

حیاتِ دائمی کی لہر ہے اس زندگانی میں

اگر مرنے سے پہلے بن پڑے تو جیتے جی مر جائیے

تجربہ کے وقت ہے دل کو گذرنے کیلئے — رنج اک صورت نئی ہے غور کرنے کے لئے

جب کوئی بنتا ہے لاکھوں ہستیوں کو میٹ کر — صبح تاروں کو دباتی ہے ابھرنے کیلئے

حاملِ اسرارِ فطرت ہوں گدا بھی ہوں تو کیا — بات یہ کافی ہے مجھ کو فخر کرنے کیلئے

روح کو چمکا، خودی کو توڑ کر زینے بنا — دو یہ تدبیریں ہیں دنیا میں ابھرنے کیلئے

غور سے دیکھا نظامِ دہر تو ثابت ہوا — "آدمی پیدا ہوا ہے کام کرنے کیلئے"

صبح اٹھ کر آنسوؤں سے خون کے روتا ہوں میں — دل کے نقشے میں وفا کا رنگ بھرنے کیلئے

گوہرِ مقصود خود ملتا ہے ہمت شرط ہے — مضطرب رہتا ہے ہر موتی ابھرنے کیلئے

آنکھ شرمائی ہوئی ہے بال پیشانی پہ ہیں — آئینہ خانے میں جاتے ہیں سنورنے کیلئے

کہدو دنیا کے حوادث سے نہ چھیڑیں اس طرح
جوشؔ ہم تیار ہی بیٹھے ہیں مرنے کے لئے

تم سے چھڑا رہا ہے زمانہ بہار میں   کیا دخل ہے مشیّت پروردگار میں
رگ رگ تڑپ رہی ہے کہ پہنچاؤں چشمِ شوق   بیٹھا ہوں گو خموش ترے انتظار میں
موسم ہو کوئی اس کو دھڑکنے سے کام ہے   پارہ بھرا ہوا ہے دلِ بے قرار میں
رونے کے بعد روح کو ہوتا ہے انبساط   لذت چھپی ہوئی ہے غمِ روزگار میں

یوں ہم اس شوخ کو پہلو میں لئے بیٹھے ہیں   کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ پئے بیٹھے ہیں
تم سے اظہارِ خیالات کریں یا مر جائیں   آج اس بات کا ہم عہد کئے بیٹھے ہیں
ضد دلانا جو ہے مقصود تبسّم کو ترے   ہم پھر آج اپنے گریباں کو سئے بیٹھے ہیں
ہنس رہے ہیں شبِ عید وہ مکاں میں اپنے   ہم ادھر عیش کا ساماں کئے بیٹھے ہیں
جو مقدّر میں ہے وہ ہو کے رہیگا اے جوشؔ
آپ کیوں دل کو پریشان کئے بیٹھے ہیں

جسے نا آشنائے رازِ غم قاتل سمجھتے ہیں   ہم اپنی جان اپنی روح اپنا دل سمجھتے ہیں

کچھ اس اندازِ دلجوئی سے آیا ہے وہ محشر میں   کہ ہم دعوے کو اپنے دعوے باطل سمجھتے ہیں
وہ بعض اوقات تو اس طرح ملتا ہے محبّت سے   کہ شرم آتی ہے دل کو ہم کسے قاتل سمجھتے ہیں
بلند و پست راہیں عشق کی مانا کہ مشکل ہیں   مگر کیا حضرتِ جوشؔ آپ بھی مشکل سمجھتے ہیں

بیہوشیوں نے اور خبردار کر دیا   سوئی جو عقل "روح" کو بیدار کر دیا
فطرت نے شام ہوتے ہی دنیا کو رنگ کر   آئینۂ ثوابت و سیّار کر دیا
ہم جن تصوّرات میں رہتے ہیں رات دن   کتنوں کو اس جنوں نے بیکار کر دیا
سوجھا عجیب کاتبِ تقدیر کو مذاق   شاعر بنا کے ہم کو زمیندار کر دیا

دیکھتے ہی اُنہیں وہ حال نہ تھا   مجھ کو جیسے کبھی ملال نہ تھا
تیرے ملنے سے قبل بھی مجھ کو   تھا مگر اس قدر ملال نہ تھا
لوٹ جاتا چمک پہ دُنیا کی   میں کوئی طفل خورد سال نہ تھا

جمعیتوں نے بڑھ کے پریشاں بنا دیا   گلشن کو رفتہ رفتہ بیاباں بنا دیا
آتا نہ ہوگا راس کسی کو نہ آئے عشق   ہم کو تو تیرے درد نے انساں بنا دیا

دُنیا بہت وسیع تھی لیکن مرے لیے — آزادیٔ خیال نے زنداں بنا دیا
ممنون ہوں طبیعتِ محنت شعار کا — ڈالا وہ آفتوں میں کہ انساں بنا دیا

درد نے دل میں چمک کر طرفہ ساماں کر دیا — پیکرِ تاریک کو فانوسِ عرفاں کر دیا
ہم نے پھولوں کو چھوا ہر چند کانٹے ہو گئے — تم نے کانٹوں پہ قدم رکھا گلستاں کر دیا
اِس عنایت کے تصدق اس تعلق کے نثار — آپ کو میری خطاؤں نے پشیماں کر دیا

چاہنے والے کی آنکھوں سے حجاب آ ہی گیا — جب نگاہیں لڑ گئیں مجھ سے وہ شرما ہی گیا
چارہ گر سب در پے تھے سست نبضیں مری — ایسے عالم میں بھی وہ آیا تو تڑپا ہی گیا
لاکھ روکا بزمِ عشرت میں طبیعت کو مگر — لب پہ نالہ اور آنسو آنکھ میں آ ہی گیا

اللہ اللہ یہ اثر ہائے گریۂ بیمارِ دوست! — صورتِ دشمن سے پیدا ہو گئے آثارِ دوست
ایسے بیہوشوں کو ہوش آنا بہت دشوار ہے — اُٹھ چکا ہو جن کے آگے پردۂ رخسارِ دوست
جلوہ گاہِ ناز کے پردے کو جنبش ہو چلی
اور تھوڑی سی کشش اے طالبِ دیدارِ دوست

جوشِ مرنے کی جی میں ٹھان لیں — اتنا اس دل ہی کا کہنا مان لیں
جان لیں گے فلسفہ ہر چیز کا — پہلے ہم اپنی حقیقت جان لیں
حد ہے یہ کون بزمِ حشر میں — اک ذرا صورت تو ہم پہچان لیں

روز مرہ آنسوؤں سے دل دھوتے ہیں — دل کی ناطاقتی پہ روتے ہیں
یاد آتی ہیں جب تری باتیں — ہم کلیجہ پکڑ کے روتے ہیں
کچھ نہیں اب مجال دنیا میں — میری تربت پہ آپ روتے ہیں

دردِ دل کو میں جو کم پاتا ہوں — کانپ اٹھتا ہوں تڑپ جاتا ہوں
جب کسی کو نہیں پاتا ہمدرد — ہر طرف دیکھ کے رہ جاتا ہوں
مجھ سے کہیے نہ خوشی کے قصے — ایسی باتوں سے میں گھبراتا ہوں
اللہ اللہ یہ عزت غم کی — اب جو ہنستا ہوں تو شرماتا ہوں

کب تک ستم اٹھائیں کب تک جگر سنبھالیں — اب دل میں ٹھان لی ہے جینے سے ہاتھ اٹھا لیں
شہروں میں گشت کر لیں صحرا میں خاک اڑا لیں — تم کو بھی ڈھونڈ لیں گے اپنے کو پہلے پا لیں

جنگل میں چاندنی ہے ہر پھول ہنس رہا ہے　　اس وقت تم بھی ہوتے کیوں نہ تمہیں بلا لیں

آ کے ہنگامِ سکوں دیکھو تو حیرانی مری　　درد گھٹتا ہے تو بڑھتی ہے پریشانی مری
حادثاتِ دہر کا اب کچھ اثر ہوتا نہیں　　ایک مدت سے ہے آبادی و ویرانی مری
چند لمحوں کے لیے بے ساختہ عشرت ترک کر　　آپ سن لیں داستانِ خانہ ویرانی مری
آسمانی کی بلندی دیکھتی ہے راستہ　　خاک سے اٹھنے نہیں دیتی تن آسانی مری

فنائے حرصِ بے جا ہے فدائے زر پرستی ہے　　ہوس! تجھ پہ سر سے پاؤں تک دنیا برستی ہے
عیاں ہے صفحۂ گلشن سے فصلِ گل کی معزولی　　یہ برگِ خشک تیرا اے خزاں فرماں رستی ہے
فنا ہو جا جھلک اٹھے گا سینہ شمعِ عرفاں سے　　ابھی تو دل کے آئینے پہ غافل داغِ ہستی ہے
مرا دعویٰ کہ "میں بندہ ہوں دل سے سوزِ باطن کا"　　وہ انکا ہنس کے کہنا جوش یہ آتش پرستی ہے

جس کو دیکھو وہ مسکراتا ہے　　کون مسکیں پہ رحم کھاتا ہے
جب تم آتے ہو سامنے تو کوئی　　اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے
کتنا رویا ہوں دیکھ کر یہ خواب　　وہ مجھے دور سے بلاتا ہے

قلب کو دے تو دے خوشی آرام — رُوح کو درد ہی جگاتا ہے
عزم اتنے ہوئے ہیں فسخ کہ اب — دل ارادے سے کانپ جاتا ہے
دل کے آئینہ میں مرے کوئی — زُلفیں بیٹھا ہوا بناتا ہے
کچھ دنوں سے تو اب بہت مجھکو — اپنی حالت پہ رحم آتا ہے

کچھ سوچ کے ہر ایک طلبگار فنا ہے — کیا راز مرے بعد زمانے پہ کھلا ہے
بجلی کے سمندر میں خفیف اُٹھی ہیں موجیں — یا اُس لبِ رنگیں پہ تبسّم کی ضیا ہے
جس آنکھ کے پردہ میں جھلکتے رہیں آنسو — دراصل وہ سرچشمۂ انوارِ خُدا ہے

خاموشیوں سے اور کچھ آزار ہو نہ جائے — ڈرتا ہوں سلب قوتِ گفتار ہو نہ جائے
دیکھ اے جفا شعار نہ کر اس قدر ستم — کوئی غریب جان سے بیزار ہو نہ جائے
ہر چند خود کشی کو بُرا جانتا ہوں میں — مجھ سے بھی کام یہ کہیں ناچار ہو نہ جائے
انجامِ عشق لوح پہ لکھو نہ دوستو — دُنیا وفا کے نام سے بیزار ہو نہ جائے

جلد آ ترے بغیر شبِ غم کا جوش ہے — شمعِ حیات اب کو دم میں خموش ہے

میرا سلامِ شوق ادب سے قبول ہو — اے خفتگانِ خاک اگر کچھ بھی ہوش ہے
دور اے خیالِ وضع پھر اُس در پہ جا پڑیں — آ اے سیاہ رات کہ تو پردہ پوش ہے

جاتا ہوں سوئے دوست تمنا لیے ہوئے — رگ رگ میں اک خلوص کی دنیا لیے ہوئے
پھر لہر سبزہ زار کی دوڑی ہے خون میں — پھر رو رہا ہوں دامنِ صحرا لیے ہوئے
پھر بارگاہِ عشق میں پہنچا ہوں سر بکف — زخموں سے پاش پاش کلیجا لیے ہوئے
پھر جلوہ گاہِ ناز کی جانب بڑھا ہوں میں — اشکوں کا چشمِ شوق میں دریا لیے ہوئے
پھر خلوتِ خیال میں بیٹھا ہوا ہے وہ — عارض میں شمعِ طور کا شعلہ لیے ہوئے
سر کرنے پھر چلا ہوں مہم حسن و عشق کی — ہر سانس میں شکست کی دنیا لیے ہوئے

جلوۂ شامِ طرب سے ہو کے برہم روئیے — خندۂ صبحِ ظفر پہ مثلِ شبنم روئیے
ٹھنڈی سانسیں کھینچیے جوشِ نسیمِ صبح پر — دیکھ کر گل پر گہر ریزیٔ شبنم روئیے
برق کی صورت تڑپیے، لوٹیے دل کی طرح — شمع کے مانند جلیے مثلِ شبنم روئیے

قوت بڑھا رہی ہیں دمِ صبح نور کی — روحانیت میں غرق صدائیں طیور کی

تیرے سلوک سے مجھے چنداں غرض نہیں
میں نے تری خلوص سے خدمت ضرور کی

رُکتے ہوئے ہیں گو کہ تحمل کی قوتیں
رگ رگ تڑپ رہی ہے دلِ ناصبور کی

کہتے تھے "دل پہ ہاتھ نہ رکھا کرو بہت"
عادت بگاڑ دی نہ دلِ ناصبور کی

اے جوشؔ! یہ کلام میں ہوتیں نہ گرمیاں
تم نے کبھی کسی سے محبت ضرور کی

صبر کی دُنیا ہمارے ضبط سے آباد ہے
دل حریفِ آہ ہے لب دشمنِ فریاد ہے

زلزلوں میں اضطرابِ دل کے بھی قائم رہا
کس قدر مضبوط اپنے شوق کی بنیاد ہے

اُف یونہیں گورِ غریباں سے گزر جاؤ گے کیا؟
وہ کسی کا رو کے کچھ کہنا بھی تم کو یاد ہے

سلسلے سے آہنی پہنچیں تو جنبش چھوڑ دے
دل کہ مدت سے حریصِ لذتِ بیداد ہے

زندگی کے قیمتی لمحے ہوئے جاتے ہیں صرف
اے مرے دیر آشنا! فریاد ہے فریاد ہے

اُس نے اتنا سوز بخشا گرمیِ رخسار سے
لَو نکل آئی نگاہِ طالبِ دیدار سے

نرمی و آہستگی سے پاؤں رکھنے کی ادا
سیکھ لیں شبنم کے قطرے آپ کی رفتار سے

کی عجب صنعت دمِ وعدہ تبسم نے ترے
دفترِ انکار لکھا سرخیِ اقرار سے

بیٹھ کر مہتاب کے حجرے میں راتوں کو مجھے
کوئی پہروں جھانکتا ہے عالمِ انوار سے

"کیوں خوشی ہم کو عمر بھر نہ ہوئی" — تم کو اس راز کی خبر نہ ہوئی
سازِ عشرت کی دل فریب صدا — ہمسرِ گریۂ سحر نہ ہوئی
میری وارفتگی معاذ اللہ — تم بھی آئے تو کچھ خبر نہ ہوئی
کون اس کا یقین لائے گا؟ — میرا مرنا تمہیں خبر نہ ہوئی
آ گئی شرم میرے شکووں کو — جب کبھی نیچی تری نظر نہ ہوئی
ہم بھی اُٹھتے بجنبشِ پیشانی — کبھی ایسی کوئی سحر نہ ہوئی

جسے تو ڈھونڈتا تھا، میہماں ہے — مرے کھوئے ہوئے دل تو کہاں ہے
ٹھہر اے دل! کہ وہ "تلوار نکلی" — مدد اے شوق! وقتِ امتحاں ہے
بھرے آتے ہیں اُس ظالم کے آنسو — الٰہی کون سرگرمِ فغاں ہے

کوئی کہتا ہے یوں بھی فتنہ اے ترکِ تبریزی — خصوصاً اس ادا سے اور یہ طرزِ دل آویزی
بہت شیریں ہے پیغامِ زبانی اُس ستمگر کا — ذرا قاصد اُسی انداز سے ہاں پھر شکر ریزی
مجھے اس آئے ناصح پیرویِ مرشدِ کامل — مبارک ہم کو تقلیدِ جنونِ شمس تبریزی
مری وقت پسندی نے عجب اعجاز دکھلایا — بہت مشکل تھا ورنہ عشق اور تعلیم انگریزی

جفائے زندگی کو مختصر کرنا ہی بہتر ہے
مرے نزدیک اس جینے سے تو مرنا ہی بہتر ہے

صفائے نفس کی خاطر سکونِ خواب کے بدلے
سحر کے نور میں آہوں کا سر کرنا ہی بہتر ہے

ہزاروں تجربوں کے بعد میں یہ بات کہتا ہوں
خوشی کے نام سے انسان کو ڈرنا ہی بہتر ہے

فراغت دل کی ہے تو مطمئن سینے کی خلوت میں
جہاں تک بھی ہو ارمانوں کا کم کرنا ہی بہتر ہے

میں رو رہا ہوں تیری نظر ہے عتاب کی
شبنم کو پی رہی ہے کرن آفتاب کی

بجھنے پہ دل ہے سانس میں بھی ضابطہ نہیں
ظالم دہائی ہے ترے روزِ شباب کی

منظور ہے خدا کو تو پہنچوں گا روزِ حشر
چہرے پہ خاک مل کے درِ بوتراب کی

صورت پرست میری نگاہوں نے اصل میں
دل کیا مرے وجود کی مٹی خراب کی

ہر پنکھڑی کے طاق میں ہنس ہنس کے صبح کو
شمعیں جلا رہی ہے کرن آفتاب کی

عیش کی جانب جو مائل کچھ طبیعت ہو گئی
دل پہ غصہ آ گیا اپنے سے نفرت ہو گئی

مجھ کو خود اپنی تباہی پر ترس آتا نہیں
خوگرِ غم اس قدر اب تو طبیعت ہو گئی

آئی جب اسٹیج پر دنیا تو دل خوش ہو گیا
جب اٹھا انجام کا پردہ تو نفرت ہو گئی

آ گئیں جنبش میں تسلیم و رضا کی قوتیں
لب ہلے ہی تھے پئے شکوہ کہ آفت آ گئی

اصلاح بندگی میں روح ہیں تازگی جوش   چند ذرّے جن سے پیشانی کی زینت ہو گئی

اِس قدر ڈوبا ہوا دل درد کی لذت میں ہے
تیرا عاشق انجمن ہی کیوں نہ ہو خلوت میں ہے

جذب کر لینا تجلّی روح کی عادت میں ہے
حسن کو محفوظ رکھنا عشق کی فطرت میں ہے

محو ہو جاتا ہوں اکثر میں، کہ دشمن ہوں ترا
دلکشی کس درجہ اے دُنیا! تری صورت میں ہے

"اُف نکل جاتی ہے" خطرے ہی کا موقع کیوں نہ ہو
حُسن سے بیتاب ہو جانا مری فطرت میں ہے

اُس کا اک ادنےٰ کرشمہ "روح" وہ اتنا عجیب
عقل استعجاب میں ہے فلسفہ حیرت میں ہے

نور کا تڑکا ہے، دھیمی ہو چلی ہے چاندنی
ہل رہا ہے دل مرا مصروفِ زینت میں ہے

گن گن کے دل نے میٹھے ساماں ہی خوشی کے ۔ جینے کا اب مزا کیا، اب کیا کروں گا جی کے
آرام چند لمحے، آلام تا بہ مرقد ۔ کیا تلخ ہیں نتیجے دنیا کی دوستی کے
دولت پہ تف نہ کرنا ہر وقت مست رہنا ۔ حاصل ہے لطف شاہی صدقے میں شاعری کے

کلیجہ جس سے تڑپ جائے سوز و ساز ہے وہ ۔ گداز دل سے جو لبریز ہے نماز ہے وہ
زمین روز سجاتی ہے جس کو ذروں سے ۔ پڑھو درود کہ پیشانی نیاز ہے وہ
خلوص ہے کہ ترقی کئے ہی جاتا ہے
یہ جانتا ہوں کہ بے رحم و حیلہ ساز ہے وہ

آئینے

سحر کو دیدۂ بیدار میں آنسو جھلکتا ہے   حقیقت میں وہ اک پرتو ہے جس میں تو جھلکتا ہے
بہ فیضِ سوزِ پنہاں ہے کہ راتوں کی خموشی میں   جب آنکھیں بند کرتا ہوں مرا پہلو جھلکتا ہے

صبح کو جشنِ رنگ تھا سبکو جنکے ساتھ اک عالم تھا   شام کو جا کے دیکھے کیا ہیں انکے گھروں میں ماتم تھا
سبزہ پہ سحر کو شبنم تھی مصروف تھی بلبل نالوں میں   پھولوں پہ غضب کی نرمی تھی غنچوں پہ عجب اک عالم تھا

کہاں آئے ہو تم قبروں میں دل سینوں میں ملتے ہیں   گھنا جنگل ہے، تاریکی ہے، دونوں وقت ملتے ہیں
مجھے بیساختہ تیرا تبسم یاد آتا ہے   لبِ دریا شبِ مہتاب میں جب پھول کھلتے ہیں

"شوق" "ناقص" "خیال" مہمل ہیں   پھر یہ دعوی کہ "ہم مکمل ہیں"
کیا گذرتی ہیں تیز اور خاموش   فرصتیں "گرمیوں کے بادل" ہیں

یوں ہلا دل عرش کا پایہ ہلا کر رکھ دیا   بندگی میں جب بعجزِ قلب سے سر رکھ دیا
لب پہ وقتِ نزع آیا چاہتا تھا اُن کا نام
رُوح نے تن سے نکل کر ہاتھ منہ پہ رکھ دیا

"عاشقی" کیا ہے؟ جگ ہنسائی ہے — بات ہم نے یہ آزمائی ہے
حد ہے اپنی طرف نہیں میں بھی — اور اُن کی طرف خُدائی ہے

سازِ شادی سُن کے ہوتی ہے پریشانی مجھے — اُن سے آتی ہے صدائے مرثیہ خوانی مجھے
جاکے گوشے میں کسی صحرا کے رو لیتا ہوں میں — یاد آتی ہے جو اپنے گھر کی ویرانی مجھے

روز دل پر زخم کب تک کھائینگے — سیر ہی کرنے سے اب باز آئینگے
ہم سے بیماروں کی بھی کوئی اُمید — آج زندہ ہیں تو کل مر جائینگے

اس قدر خائف ہے دلِ آرام سے — کانپ جاتا ہوں خوشی کے نام سے
چند طاری ہیں وہ صدمے رُوح پر — جھینپتا ہوں خواہش آرام سے

تھی صبح، رونے والے آنسو بہا رہے تھے — تاروں میں تھا تلاطم وہ مُسکرا رہے تھے
گردوں پہ تھا تصوّر، شفّاف چاندنی تھی
مہتاب میں وہ بیٹھے زُلفیں بنا رہے تھے

سینے کو جگمگا دے لذّت فروز ہو جا — اے روح مشتعل ہو لبریز سوز ہو جا
دیدار سے جلا کر آنکھوں کو روشنی دے — پہلو میں رہنے والے نظارہ سوز ہو جا

ضبط کی سینے میں اب جا ہی نہیں — دل نہیں یا آج دنیا ہی نہیں
دفترِ عالم سے آسائش کا نام — یوں مٹا جیسے کبھی تھا ہی نہیں

کیوں چُپ ہیں سب مریضِ محبت کو کیا ہوا؟ — اُن کا یہ پوچھنا تھا کہ محشر بپا ہوا
گو دنیا کے اِس جدید تمدّن کے دور میں — حیران ہوں کہ رسمِ مروّت کو کیا ہوا

جو پیامی گیا، خجل آیا — ہائے کس بے وفا پہ دل آیا
اپنے پہلو پہ کی نظر ہم نے — جب کسی کا کسی پہ دل آیا

گو مرے کمبخت پہلو میں اَنی بھالے کی رہنے دو — تڑپ بجلی کی ہونے دو تپک چھالے کی رہنے دو
نہ یوں سازِ طرب چھیڑو فلک تک جس سے گونج اُٹھے
فضا میں غافلو! کچھ تو جگہ نالے کی رہنے دو

ارادوں میں بلندی قلب میں رفعت کا ارماں ہے   مرے نزدیک دُنیا ایک تنگ و تار زنداں ہے
جو سچ پوچھو مبارک موت ہے شب زندہ داروں کی   جنازہ پیچھے پیچھے آگے آگے شمعِ عرفاں ہے

یہ ارمانوں کی کثرت دل کو ویراں کر کے چھوڑے گی   ہوائے تند بادل کو پریشاں کر کے چھوڑے گی
تمہاری ٹھوکریں احساس کو بیدار کر دیں گی   مری فطرت "ستمگاری" کو "احساں" کر کے چھوڑے گی

دُنیا کی گردشوں کو حسرت سے دیکھتے ہیں   ہر شے کو اہلِ باطن عبرت سے دیکھتے ہیں
"دولت کمانے والے" کہتی ہے جن کو دُنیا   ہم ایسی ہستیوں کو نفرت سے دیکھتے ہیں

ناتواں کی بند آنکھو اب کھلو ہے کوئے دوست   مطربِ دل ہاں ٹھہر دیکھ آ رہی ہے بوئے دوست
آکے دشمن نے خطائیں بخشوائیں اُس سے دوست   ایسی یابوسی ہے میں نے آج دیکھا سوئے دوست

اُن مواقع پہ ہم کو ہوش آیا   جب کہیں ذکرِ مے فروش آیا
میری بے ہوشیوں کو جو سمجھا
زندگی بھر نہ اُس کو ہوش آیا

مسلکِ روحانیت میں فرد کامل ہو گیا
تم نے جس دل پر نگاہیں ڈال دیں دل ہو گیا
یونہی رسماً ہنس دیئے وہ دیکھ کر صورت مری
اور مجھ کو زندگی کا لطف حاصل ہو گیا

مٹانا ہو جو خودداری تو اُن کو آشنا کیجئے
جفاؤں کا ہدف بنئے تو اظہارِ وفا کیجئے
یہی کہئے "مری قسمت" کہ منزل تک نہیں پہنچا
مگر کس منہ سے اب توہینِ لفظِ رہنما کیجئے

کہاں دل کی رسائی سرمدی جلوہ دمکتے تاروں میں
نظر اُلجھی ہوئی ہے حُسنِ فانی کے نظاروں میں
سبق نرمی کا لے گلشن سے کیا تو نے نہیں دیکھا
حکومت کر رہا ہے پھول کس عزت سے خاروں میں

گزرتی ہیں جو اوقات ترے جلووں کی باتوں میں
جھلکتا ہے سحر کا نور اُن تاریک راتوں میں
نہیں معلوم کیا کیا دل میں نقشے کھینچ دیتا ہے
چمکنا سادگی سے چاند کا شفاف راتوں میں

ترک کر دوں اگر اپنے کو تو کامل ہو جاؤں
اپنے قابل نہ رہوں تو ترے قابل ہو جاؤں
اِس قدر "حسن" کو دیکھا ہے تامل سے کہ اب
کیا تعجب ہے میں اپنے ہی پہ مائل ہو جاؤں

کچل دے حسرتوں کو بے نیازِ مدعا ہو جا — خودی کو جھاڑ دے دامن سے مردِ با خدا ہو جا
اٹھا لیتی ہیں لہریں تہ نشیں ہوتا ہے جب کوئی — ابھرنا ہے تو غرقِ موجۂ بحرِ فنا ہو جا

بے خبر ہو کے دل جلاؤ گے — ہم نہ کہتے تھے بھول جاؤ گے
اُف مرا اُن سے نزع میں کہنا — ”میری تربت پہ کیوں تم آؤ گے“

اُن کی صورت ذرا دکھا دینا — منہ سے میرے کفن ہٹا دینا
کچھ ہو لیکن یہ میری عادت ہے — وہ جب آئیں تو مسکرا دینا

غم مسلّط ہے جاگتے سوتے — کٹ گئی عمر روتے ہی روتے
چاندنی رات ہے سمندر ہے — کاش اِس وقت آپ بھی ہوتے

تیری آمد دشت میں ہے شام آفت خیز ہے — تیرے سنّاٹے میں اِک تسکین غم آمیز ہے
ذرّہ ذرّہ سے نمایاں ہے تمنّائے سکوں
پتّہ پتّہ تشنگیٔ خواب سے لبریز ہے

تارے نہیں ملتے کہ مہِ نو نہیں ملتا — دل جس سے تڑپ جائے وہ پرتو نہیں ملتا
یہ شمس و قمر جس کے نشانِ کفِ پا ہیں — پھرتا ہوں پریشاں وہ رہبر نہیں ملتا

اس سے مجھکو نہیں ہے بحث کوئی — دل کو رکھئے کثیف یا شفاف
لیکن اتنی ہے التماس ضرور — اپنی فطرت سے کیجئے انصاف

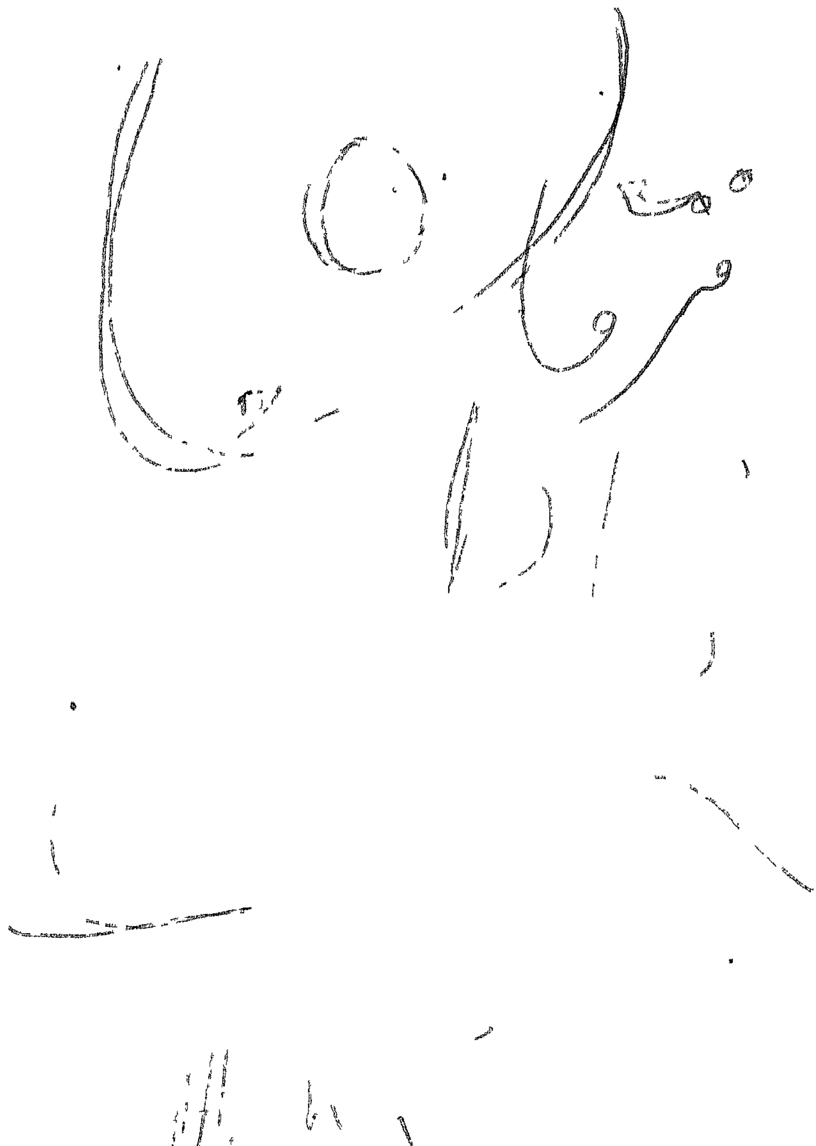
اے آنکھ! ہجرِ دوست میں آنسو گرا شتاب — اشکوں کی روشنی میں الٹتا ہے وہ نقاب
کیا تو نے یہ معاملہ دیکھا نہیں کبھی؟ — شبنم کے آنسوؤں پہ چمکتا ہے آفتاب

دل ترے جلوۂ رنگیں کو دیئے جاتا ہوں — ایک کانٹا سا کلیجے میں لئے جاتا ہوں
جانتا ہوں دلِ صد چاک کا بخیہ ہے محال — پھر بھی سودا ہے کچھ ایسا کہ سیے جاتا ہوں

اب تو اکثر یہ حال ہوتا ہے — سانس لینا وبال ہوتا ہے
آہ کرنا تو کیا ترے آگے — بات کرنا محال ہوتا ہے

ستارے

دیکھ اے نگاہِ باطن! دلچسپ ہیں نظارے
گردوں پہ شاعری کے چھٹکے ہیں کیا ستارے!!



سوچو تو دل میں آخر کس طرح "رات" "دن" ہو
جو سانس لے رہا ہو پھر بھی وہ مطمئن ہو!

نظر فریاد کرتی ہے نگاہیں تھرتھراتی ہیں
محبت ہے وہ افسانہ جسے آنکھیں سناتی ہیں

ایک طوفاں ہوں، اک تلاطم ہوں
میں یہ کس کے خیال میں گم ہوں

"تم" نہیں "میں" ہوں "میں" نہیں "تم" ہو
صاف کہہ دوں تو اِک تلاطم ہو

جس زندگی پہ نازاں یہ صاحبِ ہوس ہیں
وہ کیا ہے؟ فی الحقیقت گنتی کے کچھ نفس ہیں

صبر کی طاقت جو کچھ دل میں ہے کھو دیتا ہوں میں
جب کوئی ہمدرد ملتا ہے تو رو دیتا ہوں میں

دل دھڑکتا ہے اشک بہتے ہیں
ہائے ہم کس بلا میں رہتے ہیں

ـــ میرے رونے کا جس میں قصہ ہے　　　عمر کا بہترین حصہ ہے

اگر سچ پوچھیے اس سے کہیں آساں ہے مرنا　　　غیور انساں کا نااہل سے حاجت طلب کرنا

ذوقِ کرم نہیں ہے تابِ جفا نہیں ہے　　　یہ دل کو زندگی کا کوئی مزا نہیں ہے

وعدہ نہیں ہے ایک علالت کا نام ہے　　　ایفائے عہد روح کی صحت کا نام ہے

طے ہو رہی ہے منزل چونکہ وقت کم ہے　　　ملکِ فنا کی جانب ہر سانس اک قدم ہے

زر کے خیال میں ہوں نہ فکرِ معاش میں　　　رہتا ہوں صبح و شام میں اپنی تلاش میں

پنہاں ہے اس میں راز ہی ہست و بود کا　　　ذوقِ فنا غرور ہے میرے وجود کا

دل نہ آغازِ دشمنی کرنا　　　اب کسی سے نہ دوستی کرنا

خوشی سے جنبی ہوں، جان کا کھونا ہی آتا ہے
مجھے دیکھے کچھ آتا ہے تو رونا ہی آتا ہے

موت سے قبل "زندگی" کیسی؟
جی رہا ہوں ابھی "خوشی" کیسی؟

نتیجہ جنکا ہے خوش ہو کے بھی مغموم ہو جانا
کہیں بہتر ہے اُن لذّات سے محروم ہو جانا

مشہور جہاں ہے میری ہستی
آذر کدۂ صنم پرستی

میری حالت تری فرقت میں سنبھل جائیگی؟
کیا یہ دُنیا ہے کہ دو دن میں بدل جائیگی؟

یہ مانا درد کو حد سے گزر جانا بھی آتا ہے
مگر بیمارِ شامِ غم کو مر جانا بھی آتا ہے

رنگین سخن نے ذبح کیا دل کو ریل پہ
مرنے کو اور جائیے "پنجاب میل" پہ

ہر بُنِ مو سے آہ کرتا ہوں
اُس طرف جب نگاہ کرتا ہوں

کذب شیوہ نہیں میرا میں سخن ساز نہیں ایسے نغمے کی مرے ساز میں آواز نہیں

بات رہ جائے اس پہ مرتے ہیں ہم جو کہتے ہیں کر گزرتے ہیں

ٹھنڈی سانسیں ہیں گرم آہیں ہیں جب سے ہم پر تری نگاہیں ہیں

دل نکلتا نہیں ہے پستی سے "قبر" بہتر ہے "تنگدستی" ہے

محرومِ التفات ہوں مایوسِ جور ہوں یہ آس بھی نہیں کہ "ابھی زیرِ غور ہوں"

بڑی نمود سے دنیا میں وہ ابھرتا ہے جو کارخانۂ قدرت میں فکر کرتا ہے

سرگرمیوں کی کیا کیا راہیں نکالتی ہیں انساں کو آرزوئیں کیسے دھو میں ڈالتی ہیں

ہر چند پُر لطف سبب غم دل میں طاق ہے عبرت سے دیکھتے ہیں تو دنیا "مذاق" ہے

یہ نور، یہ دھندلکا، یہ چاند، یہ ستارے — کافر بھی ہو جو کوئی اللہ کو پکارے

پھر عبرت کیوں حکایاتِ الم کو دیکھئے — آپ کو آنسو بہانا ہوں تو ہم کو دیکھئے

جو حق پرست ہیں مٹ کر تباہ ہو جائیں — اگر یہ ہو تو ستارے سیاہ ہو جائیں

موت ہے دل کی اور نگاہوں کی — "عشق" پاداش ہے گناہوں کی

موت بھی شیریں ہے اس تکلیف سے — جس پہ دل آیا ہو وہ نفرت کرے

مرے حواس تہی نشانِ حسن میں گم ہیں — کہ اِک نگاہ اٹھانے میں سو تبسم ہیں

ترے جمال سے میری حیات مشتق ہے — مرا وجود "مرے واسطے انا الحق" ہے

نہ دیکھے غور سے اس طرح کہہ دو چشمِ پُرنم سے — مرکب ہے وہ عارض "پنکھڑی" سے اور "شبنم" سے

وہ سروِ ناز حسن کی لہروں میں غرق ہے — آنکھوں میں بس رہی ہے اور نگاہوں میں برق ہے

دنیا کی روشنی ہے ضیا آسماں کی ہے — کہتے ہیں راست گوئی "امانت" زباں کی ہے

عقبےٰ میں عافیت ہے تو دنیا میں نام ہے — کہتے ہیں جس کو "صدق" وہ "روحِ کلام" ہے

ہر گھر سے فزوں عشق میں جنت کا مکاں ہے — اور اُس کے طلبگار دن آج یہ خوابِ گراں ہے

اس اعتقاد میں پنہاں عجیب حکمت ہے — کشادہ روئی سے ملنا بھی اک عبادت ہے

جنابِ لیڈر کے وعظ و لکچر کو یوں تو بالکل درست پایا — مگر نگاہِ مآل بیں نے عمل جو دیکھا تو سست پایا

بتاؤ دوستی کی حد سے نکل گئے ہیں — یا تم بدل گئے ہو یا ہم بدل گئے ہیں

اک زمانے سے جدا جذبات کی ترتیب ہے — غیر معمولی عناصر سے مری ترکیب ہے

ہر اسٹیشن پہ دو اک زخمِ کاری دل پہ کھاتے ہیں ... سفر کرتے ہیں یا ہم جنگ کے میدان میں جاتے ہیں

رنگیں رخوں نے ذبح کیا دل کو ریل پہ ... مرنے کو اور چاہیئے پنجاب میل پہ

غمِ فرقت سے کیا کیا جوشِ دل سینوں میں ملتے ہیں ... خصوصاً جب اکیلے گھر میں دونوں وقت ملتے ہیں

ڈر بلندی سے ہے نہ پستی سے ... بے تعلق ہیں اپنی ہستی سے

تمہارے سامنے کیوں اشک میرا بہہ نہیں سکتا ... اسے محسوس کر سکتا ہوں لیکن کہہ نہیں سکتا

بڑھے جاؤ نہ یوں ڈولو ذرا غور و تامّل میں ... ترقی تھک کے سو جاتی ہے آغوشِ تنزّل میں

بڑھ کے سامانِ عیش و عشرت کا ... خون کرتا ہے "آدمیت" کا

تحیّر خیز یہ دنیا کی رُت ہے ... لبوں پہ ہے "خدا" سینے میں "بت" ہے

راحت ہے ”وصل“ ”ہجر“ سراپا ملال ہے — یہ بھی طلسم بندیٔ وہم و خیال ہے

ہر چیز کائنات کی لبریزِ یاس ہے — دل کیا اُداس ہے کہ زمانہ اُداس ہے

دِل ہِل رہا ہے حُسنِ فسونگر کے سامنے — قطرے میں جزر و مد ہے سمندر کے سامنے

کلیجہ ہِل رہا ہے نزع کی حالت ہے جینے میں — بتاؤ تو کوئی یہ کیا ہوا جاتا ہے سینے میں

یوں مُسکرا رہے ہو کہ دل کو نہ کل پڑے — کیا چاہتے ہو منہ سے کلیجہ نکل پڑے؟

خموشی دیکھ کر دل زندگی سے ہٹ گیا ہوتا — اگر تم ہنس نہ دیتے تو کلیجہ پھٹ گیا ہوتا

دل میں برچھی کی طرح تارِ نفس گڑتا ہے — پاؤں رکھتے ہیں کہاں اور کہاں پڑتا ہے

وہ سامنے ہیں دل میں تلاطم خدا بچائے — دو ڈاک گاڑیوں میں تصادم خدا بچائے

تھا اگر مجھ پہ ہجومِ بے کسی ایسا نہ تھا
آج ہے دل پر جو سناٹا کبھی ایسا نہ تھا

حسرتیں دل میں لیے جب سوئے مش جاتا ہوں میں
روح پہ وہ ضرب لگتی ہے کہ پس جاتا ہوں میں

تعجب کیا ہے اگر تخئیل اسکی تیز رہتی ہے
ترے جلووں سے حس کی نیند تک لبریز رہتی ہے

ستارے ہی چمکتے ہیں نہ جگنو ہی چمکتا ہے
ہمیشہ شمع کی محفل میں آنسو ہی چمکتا ہے

وہ تم کو دیکھ کے حالت تباہ ہوتی ہے
تمام سانس مری صرفِ آہ ہوتی ہے

چمکے ہلال، اُن کا ابرو کبھی نہ ہوگا
موتی ہزار اُبھرے، آنسو کبھی نہ ہوگا

عشق ہنگامہ اُس کی محفل کا
حسن اک گھاؤ ہے مرے دل کا

زمانہ ساتھ دے ہر چند کچھ تسکیں نہیں ہوتی
اگر "محکوم" ہے تو نیند بھی شیریں نہیں ہوتی

کتنے ہو غم سے پریشان ہوئے جاتے ہیں
یہ نہیں کہتے کہ "انسان ہوئے جاتے ہیں"

تم کو خود سے نہ خیالِ دلِ ناشاد آیا
یاد آیا مرے کہنے سے تو کیا یاد آیا!

اپنے سے رفتہ رفتہ بیگانہ ہو گیا ہوں — پردیس رہنے والے! میں تجھ میں کھو گیا ہوں

رُخ پہ زلفوں کو پریشان کئے بیٹھے ہو — تم مرے قتل کا سامان کئے بیٹھے ہو

میرے دل کو واسطے آج تک راحت ہی نہیں — کس پہ دل آیا ہے اُس سے واقفیت ہی نہیں

دل کا طوفاں میں سفینہ ہے — اُن کے رخسار پہ پسینہ ہے

وہ دردِ شبِ غم ہے کہ سو بھی نہیں سکتے — اور اُس پہ یہ آفت ہے کہ رو بھی نہیں سکتے

تمہیں نہیں ہو کچھ اے خشک پتّیو برباد — فریب خوردۂ رنگ بہار ہم بھی ہیں

یوں نہ رُخ پوشیدہ کیجئے مجھ کو جینے دیجئے — میری آنکھوں کو شرابِ سرخ پینے دیجئے

خوشی بڑھ رہی ہے تو دل مر رہا ہے — مسرت کی تکمیل سے ڈر رہا ہے

جس وقت تک اس آنکھ میں آنسو نہیں آتا — میں دیکھ چکا ہوں کہ نظر تو نہیں آتا

ختم شد

کتابہ شریف عباسی لاہور

RULES :-

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Rs. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and **50 paise** per volume per day for general books kept over-due.